A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London UK

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:83 ماہ نومبر 2019ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

80 STRATHDONE DRIVE SW170PW LONDON

(M) 0044-7886-304637, 02089449385

www.qindeel-e-adub.co.uk ranarazzaq52@gmail.com

ऊर्दू अदब का अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन जो लंदन से प्रकाशित होता है اُردو ادب کا بین الاقوامی میگزین جو لندن سے شائع ہوتا ہے۔

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی جانب سے ماہانہ ادبی محفل رپورٹ صفحہ 5 پرملاحظہ فرمائیں (

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا ، عبد القدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے ، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا ۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کر دیا جائے گا۔مراسلہ نگاروں کی قدر کی جاتی ہے۔قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔شکریہ رانا عبدالرزاق خاں

گزارش

مضامین نگار احباب سے گزارش ہے کہ قندیل ادب انٹرنیشنل میں شائع ہونے والے مضامین میں حوالہ جات ضرور دیا کریں۔اس سے مضمون کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔اسی طرح اس میں لگائی جانے والی تصاویر کسی کمپنی یا کسی شخص کی کاپی رائٹ نہیں ہونی چاہیے۔ادارہ اس قسم کی کوئی تصاویر شائع کرنے کا مجاز نہیں ہے جس کی ادائیگی کیلئے کوئی کمپنی ادارہ سے بعد میں رابطہ کرے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

اداریہ۔کشمیر لہو لہو	رانا عبدالرزاق خان	4
واتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی جانب سے ادبی محفل	رپورٹ: امجد مرزا امجد	6
غزلیات: اطہر حفیظ فراز، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، طفیل عامر، مبشر شہزادہ، ڈاکٹر فضل الرحمن ، شیر آشفتہ سر، فرحت عباس شاہ، محسن نقوی، انیس ندیم جاپان، افتخار راغب، صابر ظفر، محمد افضل ترکی، خلیق الزماں نصرت، واصف حسین واصف، شوری کاشمیری، عبد السلام اسلام، پروفیسر کرامت راج، میر اللہ بخش تسنیم، امجد مرزا امجد، مسعود چوہدری جرمنی، ارشاد عرشی ملک ۔		7 تا 13
بزم خواتین کی دسویں سالگرہ پر عالمی مشاعرہ	عرفان احمد خان	14
شذرات	اصغر علی بھٹی	15
تبصرہ قندیل	ادارہ	16
مشتاق احمد یوسفی کے فلسفے	ادارہ	18
میرے شعر بھی تو سدھر گئے	اطہر حفیظ فراز	20
افسانچہ ۔ ماضی کے جھروکوں سے	مبشرہ ناز	21
میں خود سے متاثر ہوں	محسن خان حیدر آباد	22
فرزانہ خرحت مترنم لہجہ کی سبک رفتار شاعرہ	امجد مرزا امجد	24
مستقبل کی تعمیر	عاصی صحرائی	25
ایک تیتر بیچنے والا بازار میں...	رجل خوشاب	28
عمران خان کے جنرل اسمبلی کے طویل خطاب	ادارہ	29
کون پہنائے گا خوشبو کو ہتھکڑی	چودھری نعیم احمد باجوہ	30
فرزانہ فرحت کی کتاب "خواب خواب زندگی" کی تقریبِ اجراء	ادارہ	32
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	33
اسلامی پاکستان کے مسلمان ڈاکٹر	عاصی صحرائی	35
افسانچہ۔ دسعت نظر۔	دیپک بُدکی	35
ابا جی ڈیڈی اور پاپا میں زمین آسمان کا فرق	عطاء القادر طاہر	36
بھٹو ایک عظیم لیڈر نہیں بلکہ ایک قومی مجرم تھا	ادارہ	37
ڈاکٹر عبدالسلام پر فلک	ادارہ	38
"مفتی محمود کو دودھ کی سپلیلیں سپانسر	اصغر علی بھٹی	39
محسن قوم	عاصی صحرائی	41

***

قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی سالانہ چندہ فیس نیچے دیئے گئے اکاؤنس نمبر میں ٹرانسفر کر کے ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C

04726979 Sort Code 400500

رانا عبد الرزاق خاں

کشمیر لہولہو

انا اللہ وانا الیہ راجعون

از
(عروہ فاطمہ، الہند)

...میرے دو سال کے چھوٹے بھائی، بیس سال کے جوان بھائی، سترہ سال کی چھوٹی بہن اور والدین کی شہادت ہوگئی ہے۔ ہمیں ہمارے ہی گھر میں دو مہینے سے قید کیا گیا ہے۔ نہ کھانے کو اناج ہے نا پینے کے لیے پانی، میرا دو سال کا چھوٹا بھائی جو ایک گھنٹہ بھوک برداشت نہیں کرسکتا وہ پندرہ دن بھوک پیاس جھیلنے کے بعد شہید ہوگیا۔ اپنے ہاتھوں سے گھر میں قبر کھود کر اسے دفنایا ہے کیونکہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ چھوٹے بھائی کے غم میں میری سترہ سالہ بہن بیمار پڑ گئی اور بستر سے لگ گئی۔ جوان بھائی اپنے بھوکے پیاسے وجود کو لے کر گھر سے نکلا چھپتے چھپاتے کہ کہیں سے دوا اور کھانے کا کچھ انتظام کرسکے۔ میں ابھی دروازے پر اسے رخصت کرکے دروازہ بند کرکے پلٹی ہی تھی کہ فائرنگ کی آواز آئی۔ کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھول کر جھانکی تو میرے جوان بھائی کی لاش دکھی۔ کئی گھنٹہ وہ لاش یوں ہی میرے گھر کے سامنے سڑک پر پڑی رہی۔ پھر رات کے اندھیرے میں اپنے نازوں پلے بھائی کے پیروں کو گھسیٹ کر اپنے گھر میں لے کر آئی اور اسے بھی اپنے چھوٹے بھائی کے پاس دفن کیا۔ کئی دن کی بھوک پیاس اور پھر اس مشقت نے مجھے نڈھال کردیا تھا۔ مجھ میں رونے کی طاقت بھی نہیں بچی تھی۔ میرے جوان بھائی کی لاش دفناتے ہوئے میرے بیمار والدین مجھے دیکھ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر اپنے بیٹے کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے تھے کیوں کہ بھوک پیاس نے نڈھال کررکھا ہے۔ کچھ دن اور گزرے۔ دو لاشوں کا اور اضافہ ہوگیا۔ والدین کے بڑھاپے اور اولاد کی شہادت اور بھوک پیاس نے انہیں بھی زیرِ زمین پہنچا دیا ہے۔ اب سترہ سال کی بہن اور میں بچے ہیں۔ میری بہن سرگوشی میں مجھ سے پوچھتی کہ ہمارے غیرت مند بھائی آرہے ہیں نا آپا؟؟ میرے دو بھائی تو شہید ہوگئے مگر کروڑوں بھائی تو زندہ ہیں نا؟؟؟ میرا ایک بھائی میری بیماری اور بھوک کو برداشت نہیں کرسکا تھا اور میرے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال کر نکل پڑا تھا۔ وہ نہیں لاسکا تو کیا ہوا باقی بھائی دیکھنا ضرور لائیں گے کچھ نہ کچھ پھر بیہوش ہوگئی وہ۔ کئی گھنٹے بعد اچانک مجھے سرگوشی سنائی دی کہ آپا دیکھو میرے بہت سارے بھائی آرہے ہیں۔ مگر میں اسے جواب نہیں دے سکتی تھی۔ میں بھی تو بھوکی پیاسی ہوں نا... میں اسے کیسے بتاؤں کہ اسے سراب نظر آرہا ہے؟؟؟ اسے کیسے بتاؤں کہ کوئی نہیں آرہا ہے؟ کچھ گھنٹوں بعد اچانک وہ جس کی آواز نہیں نکل رہی تھی چیخ مار کر اٹھے اور کہا آپا دیکھو میرے بھائی دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ میرے لیے میرے بھائی آگئے ہیں۔ اتنا کہہ کر دروازے کی طرف دوڑی۔ دروازہ کھولا۔ دہلیز پر گری۔ اپنے نہ آنے والے بھائیوں کی راہ تکتے ہوئے نظریں سڑک پر تھیں اور جسم بے جان ہوگیا۔ چراغ جو بجھنے سے پہلے ٹمٹمایا تھا وہ بالآخر بجھ گیا۔ جس بہن کے ساتھ بچپن گزرا، جسے گودی میں لے کر گھومتی تھی اسے پیروں سے گھسیٹ کر گھر کے اندر لائی اور اسے بھی دفن کیا۔ کئی گھنٹے لگے مجھے مگر بالآخر عزت کے ساتھ دفن کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ میرا بڑا بھائی کئی دن سے پولیس حراست میں ہے۔ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں کچھ خبر نہیں۔ سنا ہے یہاں کہ ہر گھر سے ایک ایک فرد کو گرفتار کیا گیا ہے اور کچھ مہینوں بعد چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر جب بھائی قید کی سزا اور تشدد برداشت کرکے نڈھال وجود کے ساتھ سکون حاصل کرنے گھر واپس آئیں گے تو پتہ نہیں ویران گھر دیکھ کر کیا سوچیں گے۔

اب میں گھر میں اکیلی بچی ہوں۔ میں زندگی میں کبھی ایک دن بھی تنہا نہیں رہی مگر اب اس پوری دنیا میں ہمیشہ کے لیے تنہا ہوگئی ہوں۔ سوچ رہی ہوں کہ میرے بھائی جو کروڑوں میں ہیں ان کو آنے میں مہینے بھی کم پڑ گئے ہیں کیا؟ کیا کشمیر اتنا زیادہ دور ہے کہ ایک مہینے میں بھی کوئی نہیں پہنچ پایا۔ اب نہ جانے کتنے دن گزر چکا ہے۔ میری قوم میں تو بہت غیرت مند لوگ تھے جو اتنے بہادر تھے کہ اسٹیج پر کھڑے رہ کر لاؤڈ اسپیکر میں حکومت کو للکارا کرتے تھے۔ اتنے بہادر تھے کہ اگر کوئی جلوس یا کوئی پروگرام پر پابندی لگ جائے تو پوری دنیا کو ہلا دینے کی بات کرتے تھے۔ اب تو معاملہ جلسے جلوس کا نہیں بلکہ زندگیوں کا ہے۔ یقیناً ان کی غیرت میں طوفان اٹھ گیا ہوگا اور وہ بس آ ہی رہے ہوں گے مگر کشمیر کیا اتنی دور ہے کہ مہینوں لگ جائیں آنے میں؟؟ نہیں۔ اتنی دور تو نہیں ہے۔ میں نے تو میرے آقا خاتم النبیین، محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک پڑھی تھی جس کا مفہوم یاد آرہا ہے کہ مسلم امہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جس کے ایک اعضاء میں

تکلیف ہوتی ہے تو درد پورے جسم کو ہوتا ہے۔ مسلم اُمت کے جسم کا ایک حصہ (کشمیر) لہولہو ہے۔ یقیناً حدیث پاک کے مطابق درد تو پورے جسم کو ہوگا نا؟ درد ہوتا اگر تو بے چینی بھی ہوتی۔ ہماری بھوک، پیاس، بیماری، لاچاری سب جذبات کو پورا جسم محسوس کرتا نا؟ تو میں کیا سمجھوں اب؟ اوہ۔ میرے کروڑوں بھائی بہن شاید گہری نیند میں ہے۔ ان کا گھر محفوظ ہے نا شاید اس لیے۔ مجھے اس طرح شور نہیں مچانا چاہیے ورنہ ان کی نیند ٹوٹ جائے گی تو وہ غصہ کریں گے نا؟ اور گہری نیند سے کوئی جگا دے تو اتنا غصہ آتا ہے کہ دل کرتا ہے جگانے والی آواز گھونٹ دو ہے نا؟ اگر میری آہ و بکا سے میری قوم کے کروڑوں لوگ جاگ گئے تو کہیں وہ میرے خلاف صف آراء نہ ہو جائیں کہیں۔ میں کمزور ہوں نا اس لیے میرے خلاف لڑنا آسان ہوگا ان کے لیے۔ یا رب العالمین ۔۔۔!!! آج تک کربلا کو کتابوں میں پڑھا اور سنا ہے آج تو نے دکھا دیا ہے تیرا شکریہ۔ اے پروردگار میں تیری شکر گزار ہوں کہ آج کے کربلا میں تو نے ہمیں بھوک پیاس برداشت کرنے والوں اور شہید ہونے والوں میں سے رکھا ہے۔ تیرا شکریہ میرے مولا کہ تو نے مجھے یزیدی لشکر میں ظالم بنا کر نہیں رکھا اور باقی کی قوم میں کوفیوں کی طرح بے حس اور خاموش بننے والوں میں شامل نہیں کیا۔ تیرا بے شمار شکر ہے کہ تو نے اہل بیت کی سنت ادا کرنے والوں میں شامل کیا ہے۔ ماضی (کربلا) کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ میری قوم ہمارے پاس اس وقت پہنچے گی جب سب شہید ہو چکے ہوں گے۔ دو مہینے تک پوری قوم کی اور بالخصوص اکابرین کی خاموشی بتاتی ہے کہ میں نے بالکل صحیح سوچا ہے۔ اچھا ایک کام کرنا۔ قوم کے آنے تک اگر میں شہید ہوگئی، رہی تو انا اللہ و انا الیہ راجعون میرے لیے پڑھ لینا اور مجھے اسی حالت میں دفن کرنا۔ کل روز حشر میں اسی حالت میں میزان پر جانا چاہتی ہوں۔ بہت حساب کتاب باقی ہے۔

نوٹ: میں مسلم اُمت کے اس جسم کا حصہ ہوں جس میں کشمیر خون میں نہایا ہوا ہے اور تکلیف مجھے یہاں (ممبئی) ہو رہی ہے۔ میں اس تمام حالات کو محسوس کر رہی ہوں جو وہاں گزر رہے ہوں گے۔ یہ تحریر ایک تخیل ہے۔ غالباً یہ تحریر حقیقت کے بہت قریب ہوگی۔ (ہمارے پہنچنے تک کشمیر میں اگر کوئی زندہ بچا تو اس سے آپ بیتی پتہ چلے گی تو یہ ثابت ہو جائے گا) کوئی شرعی غلطی ہو تو توبہ کرتی ہوں۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ مگر قوم یہ سوچ لے کہ کل روز حشر حساب بہت بھاری پڑنے والا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے شہیدوں کا لہو بہت بھاری پڑے گا ہمیں۔ (عروہ فاطمہ، الہند)

آٹھ آٹھ بار حج کرنے والے پڑھیں اور سوچیں

اور بار بار عمرہ کرنے والے اور خود کو الحاج لکھنے والو اس پیغام کو ضرور پڑھیں ایک نو سال کا بچہ مسجد کے کونے میں بیٹھے چھوٹی بہن کے ساتھ بیٹھا ہاتھ اُٹھا کر اللہ پاک سے نہ جانے کیا مانگ رہا تھا؟ کپڑوں میں پیوند لگا تھا مگر نہایت صاف تھے۔ اس کے ننھے سے گال آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے بہت سے لوگ اس کی طرف متوجہ تھے اور وہ بالکل بے خبر اللہ پاک سے باتوں میں لگا ہوا تھا جیسے ہی وہ اُٹھا ایک اجنبی نے بڑھ کر اسکا ننھا سا ہاتھ پکڑا اور پوچھا اللہ پاک سے کیا مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میرے ابو مر گئے ہیں ان کیلئے جنت۔ میری امی ہر وقت روتی رہتی ہے اس کے لئے صبر میری بہن ماں سے کپڑے مانگتی ہے اس کے لئے رقم اجنبی نے سوال کیا۔ کیا آپ سکول جاتے ہو؟ بچے نے کہا ہاں جاتا ہوں اجنبی نے پوچھا کس کلاس میں پڑھتے ہو؟ نہیں انکل پڑھنے نہیں جاتا ماں چنے بنا دیتی ہے وہ سکول کے بچوں کو فروخت کرتا ہوں بہت سارے بچے مجھ سے چنے خریدتے ہیں ہمارا یہی کام دھندا ہے۔ بچے کا ایک ایک لفظ میری رُوح میں اُتر رہا تھا تمہارا کوئی رشتہ دار اجنبی نہ چاہتے ہوئے بھی بچے سے پوچھ بیٹھا؟ امی کہتی ہے غریب کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا امی کبھی جھوٹ نہیں بولتی لیکن انکل جب ہم کھانا کھا رہے ہوتے ہیں اور میں کہتا ہوں امی آپ بھی کھانا کھاؤ تو وہ کہتی ہیں۔ میں نے کھا لیا ہے اس وقت لگتا ہے۔ وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ بیٹا اگر گھر کا خرچ مل جائے تو تم پڑھو گے؟ بچہ: بالکل نہیں کیونکہ تعلیم حاصل کرنے والے غریبوں سے نفرت کرتے ہیں ہمیں کسی پڑھے ہوئے نے کبھی نہیں پوچھا پاس سے گزر جاتے ہیں اجنبی حیران بھی تھا اور پریشان بھی پھر اس نے کہا کہ ہر روز اسی مسجد میں آتا ہوں کبھی کسی نے نہیں پوچھا یہاں تمام آنے والے میرے والد کو جانتے تھے مگر ہمیں کوئی نہیں جانتا بچہ زور زور سے رونے لگا انکل جب باپ مر جاتا ہے تو سب اجنبی بن جاتے ہیں میرے پاس بچے کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا ایسے کتنے معصوم ہوں گے جو حسرتوں سے زخمی ہیں بس ایک کوشش کیجئے اور اپنے اردگرد ایسے ضرورت مند یتیموں اور بے سہارا کو ڈھونڈئے اور ان کی مدد کیجئے مدرسوں اور مسجدوں میں سیمنٹ یا اناج کی بوری دینے سے پہلے اپنے آس پاس کسی غریب کو دیکھ لیں شاید اسکو آٹے کی بوری زیادہ ضرورت ہو۔

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی جانب سے ماہانہ ادبی محفل
معروف پنجابی شاعر محترم چوہدری محبوب احمد محبوب کے دوسرے شعری مجموعہ ''اکھیاں دے بوہے'' کی تقریب رونمائی

رپورٹ وفوٹو
امجد مرزا امجد

ہر ماہ کی پہلی اتوار کو تیرہ برسوں سے کامیاب مشاعروں کے کامیاب انعقاد کرنے والی برطانیہ کی واحد ادبی تنظیم ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم، لندن'' کی جانب سے اکتوبر کی پہلی اتوار مورخہ 6 کو ایک بجے والتھم سٹو کی سنٹرل لائبریری میں معروف شاعر جناب چوہدری محبوب احمد محبوب صاحب کے دوسرے شعری مجموعہ کلام ''اکھیاں دے بوہے'' کی تقریب رونمائی کے بعد حسب معمول عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد ہوا۔ اسٹیج پر تنظیم کے صدر ڈاکٹر شوکت نواز خان، آج کی ادبی محفل کی صدر معروف شاعرہ ''بزم وشعر ادب'' کی بانی محترمہ سیما جبار صاحبہ اور معروف پنجابی شاعر محترم چوہدری محبوب احمد محبوبؔ تشریف فرما تھے۔ نظامت حسب معمول امجد مرزا امجدؔ نے اپنے خاص شگفتہ انداز میں کی۔ راجہ محمد الیاس صاحب نے محفل کی ابتدا تلاوت قرآن پاک سے کی جبکہ نعت شریف معروف گلوکار محترم شیخ محمد یوسف صاحب نے نہایت خوبصورت آواز و انداز میں پیش کی۔ حسب معمول امجد مرزا نے چوہدری محبوب احمد محبوبؔ کے شعری مجموعہ ''اکھیاں دے بوہے'' پر سیر حاصل مضمون پڑھا۔ جس میں انہوں نے مصنف شاعر کی غزلوں پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''محبوب احمد محبوبؔ نے اپنے پہلے مجموعہ ''کھلے بوہے'' میں زیادہ تر حالاتِ حاضرہ پر شاعری کی۔ جو ان کا ایک خاص اندازِ تحریر تھا مگر مجھے خوشی ہوئی کہ ہمارا دوست اب نہایت خوبصورت چھوٹی بحر میں غزل کا خوبصورت شاعر بن کر ابھرا ہے۔ اس مجموعہ کلام میں انہوں نے نعت، حمد نظم کے علاوہ نہایت خوبصورت غزل بھی لکھ کر اپنے آپ کو منوایا ہے کہ آپ ہر موضوع پر لکھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔'' ان کے بعد راجہ محمد الیاس نے ان کی شاعری اور طویل ادبی خدمات کا ذکر کیا، شیخ محمد یوسف جنہوں نے ان کے ایک گیت کو بھی پیش کیا اور معروف شاعر، ادیب اور مدیر ''قندیل ادب'' جناب رانا عبدالرزاق صاحب نے شاعر اور ان کے مجموعہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ان کے پنجابی کلام کو سراہا۔ اسٹیج پر تشریف فرما ڈاکٹر شوکت نواز خان اور محترمہ سیما جبار صاحبہ نے چوہدری محبوب احمد محبوبؔ کے اس دوسرے مجموعہ کلام ''اکھیاں دے بوہے'' کی تقریب رونمائی کی۔ اور مصنف کو مبارک باد دی۔ اب جناب محبوب احمد محبوبؔ کو دعوت کلام دی گئی۔ انہوں نے پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنے کاروبار، زندگی، مصروفیات اور شاعری کے بارے میں تفصیل سے بات چیت کی اور پھر کتاب میں سے تین غزلیں سنا کر داد وصول کی۔ ہال میں تمام سامعین نے پرجوش تالیوں سے انہیں داد دی۔ مشاعرے کا آغاز کرتے ہوئے صاحب نظامت امجد مرزا صاحب نے اپنی روٹین سے ہٹ کر اس بار بجائے اپنا کلام سنانے کے محبوب احمد محبوب صاحب کی کتاب سے ایک پنجابی کی غزل اپنے خوبصورت ترنم سے سنا کر خوب داد وصول کی۔ ان کے بعد قبال گل، محمد جہانگیر، چوہدری محمد

صدیق، محمد شبیر خان، شیخ محمد یوسف، شاہین اختر شاہینؔ، محمود علی محمودؔ، شائق نصیر پوری، رانا عبدالرزاق، سلطان صابری، راجہ محمد الیاس، ڈاکٹر رحیم اللہ شادؔ، نصیر احمد ناصر بٹ، فیاض عادل فاروقی اور اسٹیج سے آج کی صدر محترمہ سیما جبار صاحبہ نے اپنا کلام سنا کر داد وصول کی۔ آخر میں تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر شوکت نواز خان صاحب نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا چار بج چکے تھے اور لائبریری بند ہورہی ہے لہذا تمام دوست باہر اکٹھے ہوئے اور ہمیشہ کی طرح ایک گروپ فوٹو لی گئی۔ پروگرام کی ابتدا میں حسب معمول تمام مہمانوں کی خاطر تواضع گرم مزیدار سموسوں چائے اور بسکٹ سے کی گئی جبکہ چائے کی بڑی سی تھرمس پروگرام نے اختتام تک شائقین کو گرم گرم چائے سے محظوظ کئے رکھا۔ انشاءاللہ اگلے ماہ کی پہلی تاریخ مورخہ 3 نومبر کو اسی ہال میں پروگرام ہوگا جس میں شرف الدین شرف صاحب کے شعری مجموعہ کلام ''زندگی ایک سفر'' کی تقریب رونمائی ہوگی اور مشاعرہ بھی ہوگا۔۔ دعوت عام ہے۔۔

غزلیات

تحفۂ نعت

محمد مصطفےٰ میرانی ہے

اطہر حفیظ فراز

جو سورج چاند تاروں میں بسی ہے،
ترے چہرے کی ذاتی روشنی ہے
میں نازاں ہوں کہ میں خیر الاُمم ہوں،
محمد مصطفےٰ میرا نبیؐ ہے
تری خاطر بنے ہیں آسماں سب،
تری خاطر ہی یہ دنیا سجی ہے
تری رحمت کے چرچے چار سو ہیں،
تری امت سے دنیا کیوں ڈری ہے
تو ہی وہ جادو گر ہے، یہ عجب ہے،
وہاں حیران اک بڑھیا کھڑی ہے
فتح مکہ کا دن ہے، سب عدو ہیں،
معافی عام ہے، اتنا سخی ہے
تجھے ختم نبوت سے نوازا،
ترا ہی فیض ہے جو آخری ہے
تجھے پا کر خدا جو مل گیا ہے،
تری ہم پر نوازش دائمی ہے
ترے نقش قدم پر جو چلا ہے،
ابو بکر و عمر، عثماں، علی ہے
معوذ اور معاذ اپنے عزائم،
تو طلحہ ہاتھ اپنا آہنی ہے
تری میں نعت لکھوں تو لگے یوں،
تری مجھ پر عنائت یہ بڑی ہے
فرازؔ!! اب حرف آخر بھی کہو نا!!
خدا اور پھر محمد ہی سبھی ہے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

مجھ کو بدلے یا خود بدل جائے
میرا کہنا ہے وہ سنبھل جائے
ساتھ دینے کو سوچنا بے کار
وقت جب ہاتھ سے نکل جائے
مجھ کو اب بھی تلاش ہے اس کی
جس کو چھونے سے ہاتھ جل جائے
مشکلوں نے کیا حصار مرا
کاش یہ لمحہ آج ٹل جائے
ہر کوئی آپ سا نہیں یہاں
موم کی طرح جو پگھل جائے
کیا پتا کس پہ وہ چہک اٹھے
کون سی بات اس کو کھل جائے
اب منوّر یہ چاہتا ہوں میں
زہر جو ہے وہ سب اُگل جائے

(طفیل عامر)

انہونی کوئی ہوگی یہ ڈر کیوں نہیں جاتا
قسمت کا لکھا سر سے گزر کیوں نہیں جاتا
جاں وارنی ہے تو نے تو پھر سوچتا ہے کیا
کرنے کا ہے جو تیرے، وہ کر کیوں نہیں جاتا!
موجود ہے اس میں تو لبوں تک بھی یہ آئے
خالی ہے اگر جام تو بھر کیوں نہیں جاتا
احساس کو نہ اس کی وہ شدت ہی کو سمجھیں
جو پوچھتے ہیں دل سے اثر کیوں نہیں جاتا
دستک سے تھکے ہاتھ صدا دیتا رہا میں
آنکھوں سے مری بند وہ در کیوں نہیں جاتا
ساحل پہ کھڑے میرے دعا گو کی یہ خواہش
کشتی کو لئے ساتھ بھنور کیوں نہیں جاتا
سو بار مرے کانوں میں سرگوشی ہوئی ہے
جینا نہیں آتا ہے تو مر کیوں نہیں جاتا
تنہائی نے جب ساتھ نہیں چھوڑنا میرا
کیوں پوچھتے ہو مجھ سے میں گھر کیوں نہیں جاتا
ہاتھوں سے ترے مرنے میں ہے ایک فضیلت
اے عشق رگ جاں میں اتر کیوں نہیں جاتا
کیا بچپنا ہے میرا خیال آئے جو دل میں
دنیا کا ہر اک فرد سنور کیوں نہیں جاتا
جن رستوں کی میں خاک رہا چھانتا عامر
ان میں سے کوئی رستہ اُدھر کیوں نہیں جاتا

کشمیر اور حالات حاضرہ

شہزادہ مبشر گلاسگو سکاٹ لینڈ

اب مظالم کے یہ منظر نہیں دیکھے جاتے
جلتے ہوئے آگ میں گھر نہیں دیکھے جاتے
اب سسکتے ہوئے محشر نہیں دیکھے جاتے
خون انساں سے رنگے در نہیں دیکھے جاتے
کیا ھیں انداز ستمگر نہیں دیکھے جاتے
کیسے ھیں انصاف کے جوہر نہیں دیکھے جاتے
گولیاں فوج چلاتی ہے گلی کوچوں میں
جو کٹے ہیں سر وہ نہیں دیکھے جاتے
اتنا خموش نہ تھا پہلے کبھی سارا جہاں
اب خاموشی کی یہ خنجر نہیں دیکھے جاتے

ہے مبشرؔ کی دعا امن کی پیارے رب سے
خون کے دریا میں بھنور نہیں دیکھے جاتے

ڈاکٹر فضل الرحمن تنزانیہ

اگرچہ رویا ہوں، ہر بات پر نہیں رویا
کبھی میں تلخیِٔ حالات پر نہیں رویا
ولایتوں کے تقدس کو مانتا ہوں مگر
کبھی بھی جا کے مزارات پر نہیں رویا
میں دیکھتا ہوں حقیقت، عقیدتوں سے پرے
بیانِ کشف و کرامات پر نہیں رویا
میں اشک بار ہوا اپنی معصیت پہ مگر
تری بلندیٔ درجات پر نہیں رویا
کسی نے ہاتھ تھمایا تو رو پڑا ہوں میں
مگر کسی کی خرافات پر نہیں رویا

گِن گِن تارے لنگدیاں راتاں

سپاں وانگر ڈنگدیاں راتاں
رانجھا تخت ہزارہ بُھلیا
بُھلیا نئیں پر جھنگ دیاں راتاں
اکھیاں وِچ جگراتے رہندے
سُولی اُتے ٹنگدیاں راتاں
ہور کسے دل جانڑ ناں دیون
اپنڑے رنگ وِچ رنگدیاں راتاں
مینوں کوئی سمجھ ناں آوے
آئیاں کیہڑے ڈھنگ دیاں راتاں

محسن نقوی

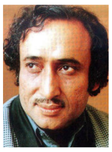

گِنو نہ زخم، نہ دِل سے اذّیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نِیّتیں پوچھو
ہوا کی سمت نہ دیکھو، اُسے تو آنا ہے
چراغِ آخرِ شب سے وصیتیں پوچھو
سناں پہ سج گئے لیکن، جُھکے نہ سر اپنے
سِتمگروں سے ہماری حمیتیں پوچھو
ہزار زخم سہو پھر بھی چُپ رہو محسنؔ
نہیں ضُرور کہ یاروں کی نِیّتیں پوچھو

پرانی غزلیات میں سے

شیر آشفتہ سر

اپنے گھر سے کہیں گیا ہی نہیں
اور جانا کہاں پتا ہی نہیں
ہم سفر کس کو ہم بناتے یہاں
شخص کوئی ہمیں جچا ہی نہیں
اب تو صورت بنا رہا ہوں تری
نام تیرا میں نے رکھا ہی نہیں
کوئی مسجد تو کچھ سیاست میں
شہر میں اب جواں بچا ہی نہیں
آرزو میری جستجو تو دیکھ
عمر بھر میں چلا تھکا ہی نہیں
آپ سے مجھ کو پیار تو ہے مگر
کہنا تھا جو وہ تو کہا ہی نہیں
خلد کی حور کو کیا کریں ہم؟
جب یہاں کوئی ہم نوا ہی نہیں
مسکرایا ہمیں وہ دیکھتے ہی
بات کیا ہے مگر ملا ہی نہیں
میں نے جی بھر کے کل اسے دیکھا
وہ بھی تصویر سے ہٹا ہی نہیں
اپنے ہونے کا کچھ ثبوت تو دو
لوگ کہتے ہیں اب خدا ہی نہیں
حالِ دل سن لیا سنا بھی دیا
وصل میں تیرے تو مزہ ہی نہیں
اب سکوں ہے یہاں رہو بے خوف
شہر میں آدمی بچا ہی نہیں
جون تیری زمیں میں لکھ دی غزل
اور تو کہتا ہے کچھ لکھا ہی نہیں

فرحت عباس شاہ

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ کہ رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر شام کے بعد
میں نے ایسے ہی گنہ تیری جدائی میں کئے
جیسے طوفاں میں کوئی چھوڑ دے گھر شام کے بعد
شام سے پہلے وہ مست اپنی اُڑانوں میں رہا
جس کے ہاتھوں میں تھے ٹوٹے ہوئے پر شام کے بعد
رات بیتی تو گنے آبلے اور پھر سوچا
کون تھا باعث آغاز سفر شام کے بعد
تو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کسی روز مرے گھر میں اُتر شام کے بعد
لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج
کھول رکھتے ہیں اسی آس پہ در شام کے بعد

***

دور ہوں اہلِ کشمیر کے ہمّ و غم
ملتجی ہم خدا سے دعاگو ہیں ہم
ختم ہو یہ کٹھن دورِ ظلم و ستم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے ہمّ و غم
آج مصلوب ہیں تیری آزادیاں
کتنے مجبور ہیں تیرے پیرو جواں
ہے کٹھن وقت یہ دورِ رنج و الم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے ہمّ و غم
اے مہکتے گلوں کی حسیں سرزمیں

عافیت سے رہیں تیرے سارے مکیں
تم پہ برسے خدا کا وہ ابرِ کرم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے ہمّ و غم
کر رہے ہو لہو سے رقم داستاں
تم پہ ہوگا خدا ایک دن مہر باں
عون و نصرت کے وارث رہو دم بہ دم
دور ہوں اہل کشمیر کے ہم و غم
سب اسیروں شہیدوں کی قربانیاں
بخدا جائیں گی کیسے یہ رائیگاں
یونہی چلتے رہو تم قدم بہ قدم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے ہمّ و غم

انیس ندیم جاپان

جب میرے مرض کا دنیا میں چرچا ہوا
ہوگیا اپنے بیگانوں میں میں رُسوا جا بجا
یار بھی، اغیار بھی، لائے طبیبوں کو بُلا
جب طبیب آئے تو میں نے رو کر بس اتنا کہا
دنیا یہ بے وفا ہے کوئی باوفا نہیں۔۔!!!
میں منتظر قضا کا ہوں آتی قضا نہیں۔۔!!!
تیرا خیال تو میں سو بار چھوڑ دوں
لیکن تیرا خیال مجھے چھوڑتا نہیں
دنیا یہ بے وفا ہے کوئی باوفا نہیں!!!
میں منتظر قضا کا ہوں آتی قضا نہیں!!!
مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں
کہ میں تم کو یاد آ نہ سکا
مگر اتنی بات ضرور ہے
کہ تمہیں دل سے نہ بھلا سکا
دلِ اشکبار کو کیا کہوں؟
یہ نہ کچھ بھی کر کے دکھا سکا
نہ اِدھر کی آگ بُجھا سکا
نہ اُدھر ہی آگ لگا سکا
میں غفور درد سے چُور تھا
وہاں اُن کو بھی غرور تھا
کہوں کیا کہ کس کا قصور تھا؟
نہ وہ آ سکے نہ میں جا سکا
یہ وفا کی راہ میں دیکھئے
میری آرزو کی خستگی
میں کسی کے قدموں میں گر کے بھی
نہ کسی کو اپنا بنا سکا
دنیا یہ بے وفا ہے کوئی باوفا نہیں!!!
میں منتظر قضا کا ہوں آتی قضا نہیں!!!
یہ دعا ہے آتشِ عشق میں
کہ میری طرح تُو جلا کرے
نہ نصیب ہو تجھے بیٹھنا
تیرے بھی دل میں درد اُٹھا کرے
کہ میری تلاش میں دربدر
تُو پکڑ کے دل کو پھرا کرے
تیرے سامنے تیرا گھر جلے
نہ بجھا سکے نہ بس چلے
تیرے منہ سے نکلے یہی دعا
کہ نہ گھر کسی کا جلا کرے
لوٹ آئیں خیر سے وہ دن
کہ نہ چین آئے تجھے میرے بن
نہ لگائیں تجھ کو گلے سے ہم
تُو ہزار منتیں کیا کرے
مہندی صنم جو تُو نے لگائی ہے ہاتھ میں
یہ عاشقوں کا خون ہے رنگِ حنا نہیں
دنیا یہ بے وفا ہے کوئی باوفا نہیں!!!
میں منتظر قضا کا ہوں آتی قضا نہیں!!!
پڑھتا تو ہوں نماز کہ یہ مجھ پہ فرض ہے
جنت ملے یا حور میرا مدعا نہیں
لا پلا دے ساقیا پیمانہ پیمانے کے بعد!
بات مطلب کی کرونگا ہوش میں آنے کے بعد!
زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا دے جہاں پر خدا نہیں
دنیا یہ بے وفا ہے کوئی باوفا نہیں!!!
میں منتظر قضا کا ہوں آتی قضا نہیں!!!

افتخار راغب

کتاب کچھ اور

اے مرے سینے کے گھاؤ کیا ہوا
مسکراؤ؟ مسکراؤ کیا ہوا
سب کی آنکھیں ہیں تمھاری ہی طرف
سنگ ہاتھوں میں اُٹھاؤ کیا ہوا
مانتا ہوں عیب ہیں مجھ میں بہت
مجھ کو آئینہ دکھاؤ کیا ہوا
نصب آنکھیں ہر در و دیوار پر
اب کہاں ہو پارساؤ کیا ہوا
شاخ سے توڑا تھا کیا کہہ کر مجھے
اپنے جُوڑے میں سجاؤ کیا ہوا
اک دِیا راغبؔ ہے اور بے خوف ہے
سوچتی کیا ہو ہواؤ کیا ہوا

صابر ظفر

امیر - شہر کی گفتار اور ہی کچھ ہے
مگر نوشتۂ دیوار اور ہی کچھ ہے
ہماری گریہ و زاری سنائی دے نہ اسے
سماعتوں پہ گراں بار اور ہی کچھ ہے
جو کھو چکا ہے مسیحا وہ ملنے والا نہیں
علاج، حالت، بیمار اور ہی کچھ ہے
مکالمہ نہ محبّت نہ محرمانہ مزاج
سلوک ، شہر ، ستمگار اور ہی کچھ ہے
ہمارے ٹوٹے ہوئے دل پہ ٹھہرے کیسے نظر
تلاش - چشم - خریدار اور ہی کچھ ہے

یہ اور بات کہ ہم مل رہے ہیں اور طرح
ہمیں تو اس سے سروکار اور ہی کچھ ہے
دوانے یوں ہی نہیں پھوڑتے ہیں سر اپنا
معاملہ، پس- دیوار اور ہی کچھ ہے
جنہیں ہے جاہ و حشم کی ہوس وہ کیا جانیں
مقام - عشق، سر - دار اور ہی کچھ ہے
جو ہنس رہے ہیں ظفرؔ، بس نہیں رہے دل میں
ہمارا حال - دل - زار اور ہی کچھ ہے

محمد افضل ترکی

سرظفراللہ خاں جج عالمی عدالت انصاف

اے محب ملک و ملّت فخرِ اقوام ِ جہاں
یہ تیری ہستی ہے گویا زندہ مذہب کا نشاں
ذکر جب کرتے ہیں تیرا تاجدارانِ جہاں
گردنیں تعظیم کو جھکتی ہیں اُن کی بے گماں
تو جہاں پہنچا وہاں کرسی رہی تیری بلند
تیرے ہاتھوں میں رہی اقوامِ عالم کی عناں
ماہرِعلم و ادب ایسا کہ خُود اپنی مثال
حُسنِ سیرت یہ بھلا لعلِ بدخشاں میں کہاں
ہے تیرا پاکیزہ دل اِک منبعِ اَنوار ِ حق
خوبیِ اخلاق تیری اہلِ عالم میں کہاں
لب پہ وردِ کلمہ ٔ صلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ
بارگاہ ِ حق میں پایا ہے تجھے سجدہ گُناں
کس قدر خوش بخت ہیں جو تجھ سے رکھتے ہیں لگاؤ
ہیں چراغ راہ ترکیؔ ! نقش پائے قدسیاں

خلیق الزماں نصرت

وا گواہ کہ روشن تھے میرے گھر میں چراغ
سیاہی گھول گئے دفعتاً نظر میں چراغ
میں تیرا کوئی نہیں پھر بھی پوچھ بیٹھا ہوں
یہ آنسوؤں کی چمک ہے کہ چشم تر میں چراغ
ہر ایک شخص کو ملتا کہاں ہے روشن ہاتھ
کہ ربّ جلاتا نہیں دست بے ہنر میں چراغ
تو ہم بھی رات کے جنگل میں سو گئے ہوتے
نہ بنتے پاوں کے چھالے اگر سفر میں چراغ
میں روشنی کے تعاقب میں کچھ نہ دیکھ سکا
لگی وہ ٹھیس کہ دھندلا گئے نظر میں چراغ
جلا کے چھوڑ دیا کس نے بہتے دریا میں
نہ یہ بھی سوچا کہ آ سکتا ہے بھنور میں چراغ
تمہارا شہر میرے گاؤں سے ہے کتنا الگ
یہاں گلوں کی جگہ کھلتے ہیں شجر میں چراغ
دل و دماغ میں بھرنے لگا ہے رات کا ڈر
جلانا بھول گئے لوگ رہ گزر میں چراغ

قطعات

بھیک ـــــ نہ مانگو
پاکستان کی غیرت کے رکھوالو
بھیک ـــــ نہ مانگو
توڑ کے اس کشکول کو آدھی کھالو
بھیک ـــــ نہ مانگو
اپنے بل پر چلنا کب سیکھو گے
طوفان میں پلنا کب سیکھو گے
یہ کہنہ تقدیر کا شکوہ کب تک
اس کو آپ بدلنا کب سیکھو گے
خود اپنی بگڑی تقدیر بنالو
بھیک ـــــ نہ مانگو
یہ جو راہ میں کالے ناگ کھڑے ہیں
کب یہ آزادی کی جنگ لڑے ہیں
جن کا آزادی میں خون ہے شامل
جب تک جیلوں میں وہ لوگ پڑے ہیں
وقت کٹھن ہے دیس کی آن بچا لو
بھیک ـــــ نہ مانگو
انگریزوں کے پٹھو کہلاؤ نا
امریکہ کے تلوے سہلاؤ نا
آج تلک ان کے دھوکے کھائے ہیں
اور مگران کے دھوکے کھاؤ نا
آزادی کے سر پہ خاک نہ ڈالو
بھیک نہ مانگو

''واعظ کی صحبت''

بہت پرلطف گو اُردو زباں ہے،
مذکر اور مؤنث کی ہے دقت،
حجاب و پردہ گھونگھٹ اور برقع
مذکر ہے یہ کل سامانِ عورت،
مؤنث ہے جناب شیخ کی ریش،
ہو کچھ بھی اس کی مقدار و طوالت
مذکر ہوگیا گیسوئے جاناں،
ہوئی اس کی طوالت کی یہ عزت،
دُوپٹہ عورتوں کا ہے مذکر،
مؤنث کیوں ہے دستارِ فضیلت،
فراق و وصل ہیں دونوں مذکر،
مؤنث ہے مگر واعظ کی صحبت،
ہوئیں جب مونچھ اور داڑھی مؤنث،
پھر کرنا پڑا دونوں کو رخصت ـــ!!
حافظ ولایت اللہ ناگپوری

واصف حسین واصف

دل میں وہ صورت ایمان نہیں ہے شائد
اس لئے عشق کا فیضان نہیں ہے شائد
اس نے یہ سوچ کے مٹی سے بنایا تھا مجھے

خاک میں اُڑنے کا ارمان نہیں ہے شائد
نشۂ عشق جو ٹوٹے تو مرے ساتھ رہے
میر اہم زاد بھی نادان نہیں ہے شائد
ہجر اب ضبط کے معیار کو چھو ہی لے گا
سو بکھر جانے کا امکان نہیں ہے شائد
فکرِ آلام سے ہم شیشہ گری سیکھتے ہیں
شہر زادوں کو یہ عرفان نہیں ہے شائد
گفتگو کس سے کریں کس کو صدا دی جائے
شہر میں دوستی عنوان نہیں ہے شائد
بندگی کے بھی تقاضے ہیں بہت پیچیدہ
اور خدا ہونا بھی آسان نہیں ہے شائد
اپنے آئینے میں ہر عکس کو رسوا دیکھے
ہم میں ایسا کوئی انسان نہیں ہے شائد
گھونسلے سبز درختوں پہ نظر آنے لگے
یعنی اب راستہ سنسان نہیں ہے شائد

"چھیل چھبیلے"

شورش کاشمیری

کچھ ایرے ہیں، کچھ غیرے ہیں
کچھ نتھو ہیں، کچھ خیرے ہیں
کچھ جھوٹے ہیں، کچھ سچے ہیں
کچھ بڈھے ہیں، کچھ بچے ہیں
کچھ ململ ہیں، کچھ لٹھے ہیں
کچھ چیچے ہیں، کچھ چھٹے ہیں
کچھ تلیر اور بٹیرے ہیں
کچھ ڈاکو اور لٹیرے ہیں
کچھ روٹی توڑ مچھندر ہیں
کچھ داراء کچھ سکند ر ہیں
کچھ اپنی بات کے پکے ہیں
کچھ جیب تراش اُچکے ہیں
کچھ ان میں ہرفن مولا ہیں
کچھ رولا ہیں کچھ غولا ہیں
کچھ تاک دھنا دھن تاکے ہیں
کچھ اُلٹے سیدھے خاکے ہیں
کچھ ان میں رنگ رنگیلے ہیں
کچھ خاصے چھیل چھبیلے ہیں
کچھ چورا چوری کرتے ہیں
کچھ سینہ زوری کرتے ہیں
ہرچند بڑے ہشیار ہیں یہ
شہ زور ہیں یہ، سردار ہیں یہ
اب قوم کی خاطر مرتے ہیں
اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں

پنجابی نظم

ککر، ٹاہلی، بیری، نمّاں
پپل، توت تے بوڑھ نہیں بھلے
وٹاں، بنّے، نہر دا کنڈھا
اَج تک پنڈ دے موڑ نئیں بھلے
اِک گنیاں دی روہ نہیں بھلی
لسّیاں دے اوہ کوَل نہیں بھلے
سنگھنے دُدھ دی کھیر نہیں بھلی
گڑ دے مٹھے چول نہیں بھلے

پروفیسر کرامت راج

اس عمر میں بھی چہرہ تیرا ماہتاب ہے
رقصاں شراب آنکھ میں شیشہ شباب ہے
ہم اہل دل کو چین نہیں اضطراب ہے
اک حسن لم یزل ہے جو زیر نقاب ہے
ڈھل جائے گر نقاب تو ہر شخص کہ اُٹھے
کچھ اور پیتے جاؤ کہ خالص شراب ہے
طوفان کا ڈر ہے وقت سے پہلے نہ آن لے
ہر شارک سفر کو پڑی اِک شتاب ہے
جب ہوں ، امیر شہر کی باتیں ہی بے وقار
اس شہر میں گذارہ سراسر عذاب ہے
زاغ و زغن کا ڈیرا ہے گلشن میں چار سو
غنچے ڈرے ہوئے ہیں پشیماں گلاب ہے

عبدالسلام اسلام

برکاتِ احمد

رواں پھر کاروانِ نوع انساں ہوتا جاتا ہے
جنونِ شوق ہر دل میں فراواں ہوتا جاتا ہے
نگاہِ حضرتِ مہدی سے بادل چھٹتے جاتے ہیں
ستارہ قسمت عالم کا تاباں ہوتا جاتا ہے
خوشا منادِ احمد جو گئے دشت و بیاباں میں
انہیں تپتا ہوا صحرا گلستاں ہوتا جاتا ہے
کھڑے دانتوں تلے اُنگلی دبا کر چارہ گرسارے
ہمارا درد اُٹھ کر آپ درماں ہوتا جاتا ہے
ہزاروں اسود و احمر گرے آغوشِ احمد میں
محیطِ کل جہاں مہدی کا داماں ہوتا جاتا ہے
اگر ہے دم بخود قاتل تو حیراں ہیں خرد والے
کہ میرے مرگ سے ہستی کا ساماں ہوتا جاتا ہے
تُفنگ و تیر اُس کے دیکھ کر میں کب ہوا ترساں
مری بے دست و پائی سے وہ لرزاں ہوتا جاتا ہے
جبیں کو پھر سکھائے جا رہے ہیں آداب سجدے کے
کہ پھر کیفِ دلِ مومن فراواں ہوتا جاتا ہے
عمل تجدید کا جاری ہے تہذیب و تمدن پر
کہ استقبال کا تارہ فروزاں ہوتا جاتا ہے
سُوئے ساحل لئے جاتے ہیں طوفاں مری کشتی
عدو یہ دیکھ کر مبہوت و حیراں ہوتا جاتا ہے
صدا طاہر کی ہے اب گونجتی آفاق کے اندر
زمانے پر یہ کیسا رحماں ہوتا جاتا ہے
شگوفے نو بنو پھوٹے، کھلی ہیں جا بجا کلیاں
دمِ مسرور سے عالم گلستاں ہوتا جاتا ہے

کلام

میر اللہ بخش صاحب تسنیم

نویدِ زندگی لے کر جو وہ نِگار آیا
جگر کو چین ملا قلب کو قرار آیا
تیرے کرم نے نہ ہونے دیا کبھی مایوس
تیری جناب میں جب بھی گناہگار آیا
دِکھائی اہلِ خرد نے نہ کوئی پامَردی
ہمیں سا رِند جب آیا بَروئے کار آیا
مِلا نہ جنّتِ فِردَوس میں سکُوں اُس کو
تیری گلی میں جو دوچار دِن گزار آیا
نگاہیں پھیر لیں نفرت سے اہلِ دُنیا نے
جہاں میں جب بھی کوئی تیرا جاں نثار آیا
مرے خُلوص کی اغیار کر چکے تصدیق
مگر نہ آج تک اپنوں کو اعتبار آیا
جہاں میں دَوڑ گئی روحِ تازگی ہر سُو
پیامِ زیست لیے ابرِ نوبہار آیا

امجد مرزا امجد

میرے قدموں بچھا دیتی ہے دامن اپنا
خوشبو خود مجھ کو بنا لیتی ہے دامن اپنا
دشت میں بکھری ہوئی خاک مری سوچتی ہے
کیا دکھائے گی کبھی تیز ہوا فن اپنا
ایک قطرہ بھی نہیں اشکوں کا اب آنکھوں میں
پہلے ایسا کبھی ویران نہ تھا خرمن اپنا
اُس کے آنے کی خبر مجھ کو ستاروں سے ملی
عکس سے جس کے ہر آئینہ ہے روشن اپنا
درد آتا ہے دبے پاؤں بہاروں کی طرح
شام ہوتے ہی مہک اُٹھتا ہے گلشن اپنا
سر ہتھیلی پر لئے ہم بھی تیار امجدؔ
غم نہیں ہم کو اگر وقت ہے دُشمن اپنا

مسعود چوہدری جرمنی

تنِ قد کی کماں کاٹی گئی ہے
اناؤں کی زباں کاٹی گئی ہے
خلاؤں کی فصیلیں کرکے اُونچی
فضائے آسماں کاٹی گئی ہے
ہمارے درمیاں ہے رابطوں کی
نگاہِ مہرباں کاٹی گئی ہے
مکینوں کی کسی سازش کے ہاتھوں
فصیلِ حرزِ جاں کاٹی گئی ہے
کسی فرہاد کے ہاتھوں سے پھر سے
رہِ کوہِ گراں کاٹی گئی ہے
نہ جانے کس طرح سسرال گھر میں
مری بیٹی جواں کاٹی گئی ہے
تماشا یہ بھی دیکھا پچھلی رُت میں
صدا زیرِ سناں کاٹی گئی ہے
سُنا ہے اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں
نگر میں ایک ماں کاٹی گئی ہے
جہاں سے ابتدا ہوئی تھی مسعودؔ
ہماری داستاں کاٹی گئی ہے

قطعہ

عبدالسلام اسلام

خلق ''احسن'' کا ہے نکتہ احمدی نے پالیا
عالم سکتہ ہے چشم رستم و سیراب میں
حق کی ضو سے ہے چمک اُٹھی جبینِ میرزا
نور جیسے جلوہ گر پیشانی مہتاب میں
کاخ و ایوان اشتراکی مغربی قصرِ بریں
ڈوبنے والے ہیں یہ توحید کے سیلاب میں
بھیجتا ہے آسمانوں سے خدا خود ناخدا
کشتی اُمت اُلجھ جاتی ہے جب گرداب میں

غزل نما نظم

عبدالسلام اسلام

جہانِ نو دگر شکل زمن محسوس ہوتی ہے
نئی محفل، نئی طرزِ سخن محسوس ہوتی ہے
خداوندا میں کھو جاتا ہوں جب تیرے تصور میں
مجھے تنہائیوں میں انجمن محسوس ہوتی ہے
نہ جانے کونسا عالم مسلط ہے گلستاں پر
بہاروں کی ہوا میں بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے
اگر دل میں ہو یاد تو ویرانہ بھی گلشن ہے
کہ صرصر قیس کو بادِ چمن محسوس ہوتی ہے
گلِ رعنا کی یادیں ہیں کھٹکتی خار بن بن کر
گلوں کو دیکھ کر ہمکو چبھن محسوس ہوتی ہے
اُچک کر دل مراوہ لے گئے ہیں روزِ روشن میں
نگہ اُن کی مثالِ راہزن محسوس ہوتی ہے
ارے چارہ گرو،جغرافیہ دانو! ذرا بولو
کہ کیوں ٹھنڈک فزارُت میں جلن محسوس ہوتی ہے
''من الایمان'' پر ہردم نظر ٹکتی رہی میری
مرے دل میں سدا حُبِ وطن محسوس ہوتی ہے
نہ جانے کیوں مرے گھر میں بھی ہے پردیس کا عالم
وطن میں رہ کر بھی یادِ وطن محسوس ہوتی ہے
میرے مہدی کے گھر میں آج تازہ انگبیں اُترا
صدا اُس کی ثنائے گُل زمن محسوس ہوتی ہے
وہ حسن یوسفی ہے کُل جہاں میں پھیلنے والا
اُنہیں ہر سمت بوئے پیرہن محسوس ہوتی ہے
ارے اسلام کو سولی پہ لٹکانے کی حاجت کیا؟
فضا کی جب گھٹن دار ورسن محسوس ہوتی ہے

تازہ کلام-آنسوؤں کی طاقت

ارشاد عرشی ملک

بظاہر آنسوؤں کا مول تو کچھ بھی نہیں عرشی
محض قطرات ہیں، بے رنگ اور نمکین پانی کے
پہ خالق کی نگاہوں میں، بہت انمول موتی ہیں
بہت محبوب ہیں اللہ کو آنکھیں، جو روتی ہیں
گنہگاروں کی آنکھوں سے، یہ آنسو جب ٹپکتے ہیں
تو لپٹیں مارتی دوزخ کو، پل بھر میں بُجھاتے ہیں
کسی نوزائیدہ بچے کی، جب یہ چیخ بن جائیں
تو ماں کی چھاتیوں سے دودھ کی گنگا بہاتے ہیں
قلم آغوش میں کاغذ کی، جب روتا بلکتا ہے
تو لافانی ادب اور شاعری تخلیق کرتا ہے
یہی آنسو اگر محبوب کی آنکھوں میں آجائیں
تو عاشق جان دے کر عشق کی تصدیق کرتا ہے
فلک کے اشک، بارش بن کے جب دھرتی پہ گرتے ہیں
تو یہ بنجر زمیں، سرسبز اور شاداب ہوتی ہے
یہی آنسواگر مجبور ماں کی آنکھ سے ٹپکیں
تو خود خالق کی چشمِ رحم بھی پُر آب ہوتی ہے
غرض آنسو کسی بھی شکل میں ہوں بیش قیمت ہیں
بشر کے واسطے انعام ہیں، مالِ غنیمت ہیں
بظاہر ارزاں و بےکار یہ نمکین پانی ہے
چُھپی اس کے پسِ پردہ ہی رحمت جاودانی ہے
بہت طاقت ہے اشکوں میں، مگر آنکھوں سے اوجھل ہے
نظر انداز کر دینا انہیں، مشکل ہے بوجھل ہے

مبارک عابد

ہم بچھڑ جائیں گے ہم بچھڑ جائیں گے
میرے پیش نظر اے مرے ہمسفر ہے یہی ایک غم ہم بچھڑ جائیں گے
میری افسردگی دیکھ کر ہر گھڑی کہتی ہے چشم نم۔
آنسوؤں میں مری عمر بہہ جائے گی تم چلے جاؤ گے یاد رہ جائے گی
تم نے یہ کیا کیا مجھ کو بتلا دیا کچھ دنوں میں صنم۔
میری آنکھوں میں خاموش سی التجا،پوچھتی ہے تجھے مجھکو سچ سچ بتا
زندگی میں کہیں ہم ملیں گے نہیں تجھ کو تیری قسم۔
میرے رات اور دن کتنے سنسان ہیں میرے شام وسحر کتنے ویران ہیں
بس یہی سوچ کر ذہن اور روح پر چھا رہا ہے الم۔
یہ میرے دوستوں کے حسین قہقہے ہر قدم پر نئے چہچھے
یاد بن جائیں گے مجھ کو تڑپائیں گیں بیتے دن اُف ستم۔
کل نجانے کہاں اور کس حال میں تم اُلجھ جاؤ گے وقت کے جال میں
کل بُھلا کر اُٹھو ساتھ میرے چلو آج تو دو قدم۔
تیری تصویر سے دل کو بہلائیں گے دل نہ بہلا اگر تو کہاں جائیں گے
کچھ مداوائے غم سوچ لیں آصنم آج مل کر بہم۔
ہوں مبارک تجھے تیری رعنائیاں دور تجھ سے رہیں غم کی پرچھائیاں
میری ہر اک وفا تجھ کو دے کر دعا روتی ہے دم بدم۔
چند لمحے یہاں ہم اکٹھے رہے وقت کے بحر میں ساتھ مل کر بہے
عابد بے نوا جو بھی تھا خواب تھا اب وہ ٹوٹا بھرم
ہم بچھڑ جائیں گے

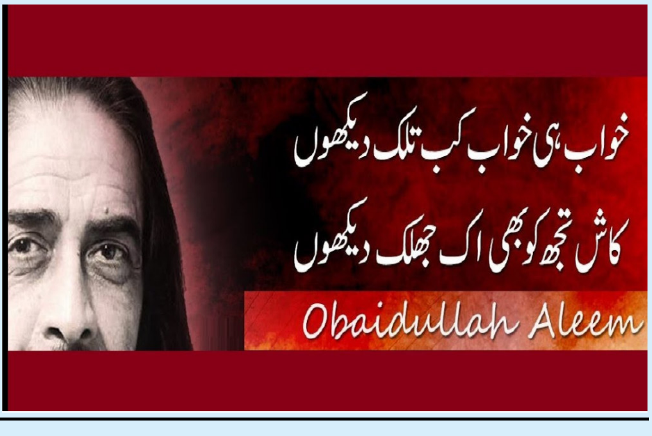

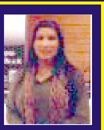

بزمِ خواتین کی دسویں سالگرہ پر
فرینکفرٹ میں **عالمی مشاعرہ**

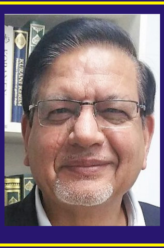

عرفان احمد خان

فرینکفرٹ جرمنی میں ادبی تنظیم اُردو جرمن کلچرل سوسائٹی کا بنام 1988ء عمل میں لایا تھا جس نے جرمنی میں اُردو شاعری کے فروغ کے لئے شعراء کو پلیٹ فارم مہیا کرنا شروع کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ شعراء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان نوآموز شاعری کرنے والوں میں چند ایسی خواتین بھی شامل تھیں جو مردانہ سٹیج سے اپنا کلام سنانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ شاعرات میں ادبی فروغ کو بڑھانے اور اور اُن کی ذوق کاوشوں کو سراہنے کے لئے 2009ء میں بزم خواتین کے نام اُردو جرمن کلچرل سوسائٹی میں علیحدہ ونگ قائم کیا گیا۔ جو ہر سال دو مشاعرے منعقد کرتا ہے۔ 14 جولائی کو بزم خواتین نے اپنے قیام کی دسویں سالگرہ پر ایک عالمی مشاعرہ کا اہتمام کیا جس میں جرمنی کے علاوہ انگلستان ۔کینیڈا ، ناروے ، سویڈن ، ڈنمارک ، سوئٹزرلینڈ سے شاعرات نے شرکت کی ۔ پاکستان سے تشریف لانے والی صاحبزادی فائزہ احمد اس دس سالہ جشن کی مہمان خصوصی تھیں۔ جبکہ ناروے سے طاہرہ زرتشت اور برطانیہ سے ڈاکٹر نکہت افتخار کو مہمان اعزازی کا مقام دیا گیا تھا۔ تقریب کے آغاز میں بزم خواتین کی صدر شمیم خان صاحبہ نے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے اور تقریب کی مہمان خصوصی کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ صاحبزادی فائزہ احمد صرف شاعرہ ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایسی سحر انگیز روحانی شخصیت کی صاحبزادی ہیں جن کی یاد ہمارے دلوں کی دھڑکن کا حصہ ہے۔ بزم خواتین کی جنرل سیکرٹری دُرِ ثمین احمد نے دس سالہ کارکردگی کی ۔ رپورٹ پیش کی جس میں بتایا گیا کہ بزم خواتین کی طرف سے پہلا مشاعرہ 21 جون 2009ء کو ڈاکٹر سائرہ جونیجو کی صدارت میں کروایا گیا۔ شاعروں کے علاوہ بشریٰ اقبال، امۃ المنان طاہر، ہما ملک، عشرت معین، اور نبیلہ رفیق کی نثری کتابوں کی تقریب رونمائی بھی کروائی گئی۔ عیدملن پارٹیاں، مینا بازار کا سلسلہ جاری ہے۔

پاکستان سے جذام کے مرض کو ختم کرنے میں اپنی جان کی قربانی دینے والی رحم دل خاتون ڈاکٹر روتھ فاؤ کی وفات پر تعزیتی ریفرنس میں منعقد کیا گیا۔

پروین شاکر اور فیض احمد فیض کی شاعری پر خصوصی تقاریب ہوئیں۔ 2011 میں جشن فیض میں اُن کی صاحبزادی سلیمہ ہاشمی نے شرکت کی اور اپنے ہاتھ سے فیض ایوارڈ تقسیم کئے۔ 2011 سے شاعری۔ ادب اور سوشل ورک پر ہر سال فیض ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ دس سالہ جشن کی خصوصی تقریب دو حصوں پر مشتمل تھی ۔ پہلے حصہ کی صدارت محترمہ صاحبزادی فائزہ احمد نے کی ۔اس میں مزاحیہ شاعری پیش کرنے والیوں میں لندن سے فوزیہ بٹ۔ ڈاکٹر نکہت افتخار۔ نسرین نیناں ۔ جرمنی سے شوکت احمد۔ شامل ہیں ۔ اس کے بعد ہما احمد اور قدسیہ نوروالا نے ملکہ پکھراج اور طاہرہ سید کی ہائے میری انگوٹھیاں پر پیروڈی پیش کر کے حال کو کشتِ زعفران بنا دیا ۔ ہال بہت دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ تھا جس کے دوران خواتین ساتھ کے ہال میں لگے مینا بازار سے محذوذ ہوئی ۔ شاپنگ کی اور مہندی لگوائی ۔ مشاعرہ کی نسبت سے پان سے بھی لطف اندوز ہوئیں ۔ درمیانی وقفہ کے بعد مشاعرہ کی اصل نشست شروع ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر نکہت افتخار نے کی جبکہ صاحبزادی فائزہ احمد اس نشست کی مہمان خصوصی تھیں۔ اس مشاعرہ کے لئے ستائیس شاعرات کا چناؤ کیا گیا تھا تب بھی رات 9 بجے تک مشاعرہ جاری رہا اور سامعین نے شاعرات کو خوب کھل کر داد دی قارئین کی دلچسپی اور تعارف کے لئے یعنی شاعرات کے کلام کا نمائندہ شعر پیش خدمت ہے۔

مغفورہ مُغنی نے نکہت افتخار کے کلام کی زمین میں یہ اشعار پڑھے۔

شاعری ہو یا گفتگو ہر آن   اپنے لہجے کو معتبر رکھئے
دو سنانے کی ہے اگر عادت   چار سننے کا بھی ہنر رکھئے

صدف جرمنی:
وہ حسن باکمال تھا جو بھولتا نہیں
اک رات کا جمال تھا جو بھولتا نہیں

امۃ الجمیل سیال جرمنی:
اپنی چاہت کو حسین رنگوں میں یوں ڈھالا ہے
جس طرح چاند کی آغوش میں اک ہالہ ہے

شاذیہ افروز جرمنی:
کیوں آج وقت میری کمائی نہ دے مجھے
تا عمر وقت زیست رسائی نہ دے مجھے

دُرِ ثمین احمد جرمنی: بے نام سا رشتہ مرکیوں نہیں جاتا
اس سے بچھڑنے کا ڈر کیوں نہیں جاتا

امۃ الشافی لندن: یہ لعل و گوہر دل کو لبھانے کے لئے ہیں
گردن میں حمائل ہیں دکھانے کے لئے ہیں
پردیس میں بیٹھے ہیں زخمِ دل چھپائے
اور مینا و ساغر تو زمانے کے لئے ہیں

بشریٰ عمر بامی لندن: دل میں یوں اداسی طاری ہے
میں نے یونہی اک عمر گزاری ہے

فہمیدہ مسرت جرمنی: مٹاتے دوریاں دل سے زمانے کی ذرا سی دیر لگتی ہے
ہراک دیوار اُٹھانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

فرزانہ ناہید جرمنی: معجزے ہوتے نہیں ہیں کبھی بھی
جو جس کا تھا اُس کا ہوگیا ہے

صفیہ چیمہ جرمنی: عیباں اُتے پا پردہ مقالی اُتے مقالی رکھ
چھڈ شالاں لوکاں دیاں اپنا آپ مثالی رکھ

نسرین نیناں لندن: بندے سے صرف نظر میرا خدا کرتا ہے
بندہ تو پہلے ہی خطا کا ہے خطا کرتا ہے

رابعہ چوہدری لندن: جوغزل پیش کی اس کا مصرعہ ہے۔
اتنا سہہ چکا ہے یہ دل سانحے محبت کے

مسعودہ طارق کینیڈا: زندہ ہیں بہت عرصہ سے
تیری کمی ہوتے ہوئے ہیں

عشرت ماٹو جرمنی: تجھے تو عادت ہے پھولوں کو دیکھنے کی
روباب: اور میں آبلۂ قلب دکھاؤں تو دِکھاؤں کیسے
عشرت دے چکی ہے درجہ محبت کو خدا کا
اب اسے ہاتھ لگاؤں تو لگاؤں کیسے

ان کے علاوہ قدسیہ شکور۔ شاہین کاظمی سوئٹزرلینڈ سے جرمنی سے شوکت احمد۔ نصرت مجید۔ حمیرا نگہت۔ فہمیدہ بٹ۔ نصرت نے بھی اپنا کلام پیش کیا جو نوٹ ہونے سے رہ گیا۔ فوزیہ بٹ کا یہ شعر بہت پسند کیا گیا۔

شہر میں ہمارے تو چاند آن اُترا ہے
دور تک محبت کی چاندنی کا موسم ہے

شاذیہ نورین کو بھی لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔ اُن کا پسندیدہ شعر ہے۔

کرب تنہائی جوگ مجھے پیارا ہے   تیری نسبت سے ملا یہ روگ مجھے

طاہرہ رباب۔ طاہرہ زرتشت اور مہمان خصوصی صاحبزادی فائزہ احمد کو بھی بڑی دل جمعی اور دلچسپی سے سُنا گیا۔

بی بی فائزہ نے اُردو کے علاوہ پنجابی کلام بھی پیش کیا۔

جھوٹ کے بندھن توڑ و سچ سے کرلو پیار   سچے یار سے یاری کرلو پیا سے کرلو پیار

آخر میں صدر مشاعرہ ڈاکٹر نکہت افتخار نے اپنا کلام پیش کیا جو کہ حاصل مشاعرہ کلام ٹھہرا۔

مشاعرہ کے اختتام پر صاحبزادی فائزہ احمد کے ہاتھوں فیض احمد فیض ایوارڈ دلوائے گئے۔ ادب کا فیض ایوارڈ سوئٹزرلینڈ کی حمیدہ شاہین کاظمی نے اپنے ناول ''ندی پور کی رادھا'' پر حاصل کیا۔ سوشل ورکر کا فیض ایوارڈ فرحت معیز کے حصہ میں آیا۔ شاعری کا فیض ایوارڈ ڈاکٹر نکہت افتخار کے ہاتھوں صاحبزادی فائزہ احمد نے وصول کیا۔ تمام شاعرات جنھوں نے آج کے مشاعرے میں اپنے کلام سے سامعین کو محذوذ کیا اُن کو اُردو جرمنی کلچرل سوسائٹی کی طرف سے ایوارڈ آف آنر دیئے گئے ہیں جو اُنہوں نے صاحبزادی فائزہ احمد کے ہاتھوں وصول کئے ہیں۔ ایوارڈز کی تقسیم کے بعد تمام شرکاء کی خدمت میں ڈنر پیش کیا گیا جس کے بعد رات گئے تک مینا بازار کی رونق سے خواتین لطف اندوز ہوتی رہیں۔

***

شذرات

اصغر علی بھٹی

مفتی طارق مسعود بے علم ہے وہ صرف استنجا کرنے کے مسائل بیان کر سکتا ہے۔ ترجمان دیوبند امیر تحفظ عقائد کل پاکستان دیوبند مسلک علامہ خضر حیات بھکر ویترجمان دیوبند نے اپنے ہی مشہور دیوبندی مفتی کی علمیت کا پول ان الفاظ میں کھول دیا ''یہ ایک مفتی طارق مسعود ہے۔ اب یہ طارق مسعود وہ آدمی ہے جس کی کوئی تحقیق نہیں، کسی مذہب پر بھی تحقیق نہیں۔ اس بیچارے نے جامعۃ الرشید سے چند کتابیں پڑھی ہیں، پگڑی باندھی اور تبصرے کرتا ہے بڑے بڑے۔ طارق مسعود ایک قدوری پڑھانے والا مفتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ استنجاء کے مسائل بیان کرے، طہارت کے مسائل بیان کرے''

(مفتی طارق مسعود کی علمی حقیقت از علامہ خضر حیات۔ یوٹیوب پر یہ ویڈیو 9 جون 2019 سے موجود ہے)

***

تبصرہ قندیل

ایک دیوبند کے مفتی ہیں اور دیوبندی ٹی وی چینلز پر ہروقت لیکچر دے رہے ہوتے ہیں اور دوسرے ترجمان دیوبند ہیں اب ان میں سے کون سے درست ہیں اور کون غلط۔کون عالم اور کون جاہل ہی یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے البتہ دیوبند ہی کے ایک اور مفتی صاحب کی رائے یاد آرہی ہے وہی لکھے دیتا ہوں۔مفتی ابوعکاشہ رحمٰن جنھوں نے حال ہی میں دیوبند کی سوسال کی تاریخ شائع کی ہے دیوبند سے نکلنے والے علماء اور دیوبند میں پڑھانے والے اساتذہ کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ''دھیرے دھیرے اچھے اور خاندانی اساتذہ رخصت ہوتے گئے اور چاپلوس قسم کے غیراشرف اور غیر انسب ایسے استادرکھے جانے لگے جن میں خوف خدانہیں بلکہ خوف اسعد یا ملازمت کے چلے جانے کے ڈر کے ساتھ یہاں استاد کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے۔جب کھیتوں میں ہل چلانے والے اور کپڑے بننے والے لوگ استاد کی مسند پر آجائیں اور اسی طرح غیرانسب اور غیراشرف گھرانوں کے لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگ جائیں تو زوال یقینی ہوجاتا ہے۔(ص ۱۴۹)

پھر پوری دیوبندی قوم کا نوحہ لکھتے ہوئے ص 249 پر فرماتے ہیں۔

''مسلمانوں کے دارالعلوم دیوبند کی قسمت میں جوروسیاہی مقدر ہوچکی تھی اسے نہ مفتی صاحب کی کوئی تدبیر روک سکی اور نہ علمائے کرام کی وقعت ووقار کا پہاڑ، ریت کا ٹیلہ بننے سے بچاسکا۔دین کے تقویٰ اور طہارت کے نمائیندوں نے اپنے ہی بزرگوں کی رسوائی اور اپنے ہی اسلاف کی روسیاہی کا جوثبوت اور سرمایہ فراہم کیااس پر کون یہ کہنے سے بازرہ سکتا ہے تفو برتو اے چرخ گرداں تفو''۔تاریخ کے قاتل مصنفہ ابوعکاشہ رحمٰن ص 149 وص 249 طباعت اے پی آفیسٹ پرنٹرس حیدرآباد۔ ملنے کا پتہ فرید بک ڈپو دہلی،عبدالسلام قاسمی محمد علی روڈ ممبئی)

ہم بھی صرف یہی کہتے ہیں کہ اے دیوبندی دنیا تفو براے چرخ گرداں تفو'

بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑی میں بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں قاریوں میں اور مولویوں میں۔فرمان مولوی مفتی طارق مسعود دیوبندی،مشہور دیوبندی مفتی طارق مسعود صاحب اپنے ہی بھائی بندوں کے حوالے سے دنیا کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''لوگ داڑھی،پگڑی پہن کر مولوی بن جاتے ہیں۔ویسے تو بڑے ملاں لوگ بھی چکر بازیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ملاں کا یہ مطلب نہیں کہ جس کی داڑھی،پگڑی دیکھی بس اسی کو بیٹی پکڑا دی۔بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑیوں میں۔نمازی بھی ہیں،امام بھی ہیں مسجدوں کے۔ان میں سے بہت سے موذّن بھی ہوں گے اور قاری بھی۔۔بڑے بڑے حرام خور ہیں قاریوں میں بھی۔مدرسوں کے مہتمم میں ایسے لوگ ہین کہ مدرسہ بنالیا انہوں نے۔بچوں کولاکر بٹھا دیا۔اوران کے نام پر کروڑوں روپے کا چندہ اور حرام خوری کی بلڈنگیں بن رہی ہیں گاؤں میں،دیہاتوں میں۔یہاں نظر نہیں آئیں گی۔یہاں اسی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گھومے گا۔دل کرے گا کہ اس کم بخت کا منہ دیکھ کر اس کو زکوٰۃ دے دو۔اور یہ حرام خور گاؤں میں بڑی بڑی بلڈنگیں بنا رہا ہوگا۔بڑے بڑے حرام خور اسی داڑھی پگڑی میں پڑے ہیں۔کبھی داڑھی اور پگڑی دیکھ کر کسی سے متاثر نہ ہونا۔مدرسہ دیکھ کر متاثر نہ ہو نامدرسوں کے نام پر دوکانیں چل رہی ہیں''

(ویڈیو بیان یوٹیوب پر بعنوان پگڑی پہن کر مولوی بن جاتے ہیں از مفتی طارق مسعود)

تبصرہ قندیل

مفتی طارق مسعود صاحب آپ کی اس بات کہ ''بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑیوں میں۔نمازی بھی ہیں،امام بھی ہیں مسجدوں کے۔ان میں سے بہت سے موذن بھی ہونگیاورقاری بھی۔بڑے بڑے حرام خورہیں قاریوں میں بھی'' مجھے بھی آپ سے سوفیصد اتفاق ہے اللہ ہم کوان مولویوں کے فتنے سے بچائے۔

نماز غوثیہ پڑھنے کی اہمیت اور طریقہ

''الحمد کے بعد قل ھواللہ 11 دفعہ پڑھے۔سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ پر درود پڑھے۔پھر بغداد شریف کی طرف 11 قدم چل کر میرا نام پکارے اور اپنی حاجت بیان کرے انشاءاللہ وہ حاجت پوری ہوگی۔لیکن یہ نماز مغرب اور عشاء کے بیچوں بیچ پڑھی جاسکتی ہے'' نیز مزید درس میں بتایا کہ ''شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ قیامت تک اپنے مریدوں کی اس بات کے ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص بغیر توبہ کے نہ مرے گا۔اوران کو یہ

بات دی گئی ہے کہ ان کے مرید اوران کے مریدوں کے مرید سات پشت تک جنت میں داخل ہونگے اور فرمایا کہ میں اپنے مریدوں کے مرید کی نسل سات پشت تک ہر ایک امر کا ذمہ دار ہوں اور اگر میرے مرید کا پردہ مشرق میں کھل جائے گا اور میں مغرب میں ہوں تو اس کو چھپاتا ہوں'' (مدنی چینل کی یہ ویڈیو بنام نماز غوثیہ پڑھنے کا طریقہ کے نام سے موجود ہے۔''احوال و آثار سیدنا غوث اعظم کتاب ہے بہجۃ الاسرار بشیر برادر لاہور کی طرف سے شائع شدہ ہے جس سے مولوی صاحب یہ درس دے رہے ہیں)

تبصرہ قندیل ادب

بریلوی فرقے کے ٹی وی چینل مدنی چینل جس میں ''اسلامی زندگی گزارنے'' کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔جیسے کیلیفر تیج کے ساتھ لٹکانے کا مدنی طریقہ'' دواسلامی بھائی موٹر سائیکل پر جارہے ہوں تو درمیان میں ''مدنی تکیہ'' رکھنے کی اہمیت۔گھر کے باتھ روم کے زنانہ مدنی چپل اور مردانہ مدنی چپل نہ رکھنے کا گناہ اور اب نماز غوثیہ پڑھنے کا طریقہ پیش خدمت ہے۔سچ ہے جب خدا عقل لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے۔

بغداد کے مولوی، ہلاکو خان اور کوا

جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی زیرادارت شائع ہونے والا جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان ماہنامہ''البلاغ'' اپنی اپریل 2019 کی اشاعت میں بغداد کی تباہی اور مولوی کے حوالہ سے لکھتا ہے''تاتاریوں کے فتنے میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اُس وقت مسلمان عالم اسلام اس عظیم فتنہ کا متحد ہوکر مقابلہ کرنے کی بجائے آپس کے اختلافات کا شکار ہوگئے اور چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل پر مناظروں میں مشغول تھے۔ اس پر ایک شاعر نے بڑا اچھا تبصرہ کیا۔

جب چلی بغداد میں تاتار کی تیغ نیام
مفتیان شرع میں جاری تھی اک جنگ کلام
ایک کہتا تھا کہ کوا ثابت و سالم حلال
دوسرا کہتا کہ کالی چونچ سیتادم حرام
اُس زمانے کے سورج نے جو دیکھا تو کہا
مفتیان را مژدہ! کارملت بیضا تمام

(ماہنامہ البلاغ اپریل ص24 مدیر مسئول عزیز الرحمٰن صاحب

تبصرہ قندیل ادب

مولوی کل بھی اسی کام میں مصروف تھا اور آج بھی۔اُس کے لئے کل کے سورج نے جو کہا تھا وہی بات آج کا سورج بھی کہہ رہا ہے افسوس تو اُن سادہ لوح لوگوں پر ہے جو انہیں سے سدھار کی آس لگائے بیٹھے ہیں بھارتی پارلیمنٹ میں ملزم ارکان کی تعداد 233 تک پہنچ گئی۔ بھارت سے ہفتہ وار شائع ہونے والے''امارت شرعیہ بہار،اڈیشہ وجھارکھنڈ کے ترجمان رسالہ نقیب اپنی یکم جولائی 2019 کی اشاعت میں بھارتی قومی اسمبلی میں منتخب ہوکر آنے والے ممبران کے حوالے سے زیرعنوان''قانون شکن'' درج ذیل رپورٹ درج کی ہے۔

''نئے انتخاب کے بعد پارلیمنٹ کی تشکیل ہوچکی ہے اور بی جے پی نے بھاری اکثریت سے حکمرانی اپنے نام کرلی ہے۔لیکن المیہ یہ ہے کہ اس بار جو لوگ قانون ساز ادارے کا رکن بن کرآئے ہیں ان میں 59 ممبران ایسے ہیں جو قتل، زنا بالجبر، فساد کرانے، اقدام قتل، اوراغواء جیسے معاملات میں ماخوذ ہیں ان میں سب سے بڑا نام بھوپال کی رکن پارلیمانی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کا ہے جو دہشت گردی، بم دھماکے اور غداری جیسے سنگین جرائم میں چارج شیٹر ہیں۔ 159 ملزم ممبران قانون سازی میں حصہ لیں گے جبکہ وہ خود قانون شکن ہیں۔ 2009 سے اگر ہم اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس سال منتخب ہوکر انے والوں کی تعداد 76 تھی۔یعنی 14 فیصد۔پھر 2014 میں یہ تعداد بڑھ کر 112 یعنی 31 فیصد پر پہنچ گئی۔ 2019 کے انتخاب میں ملزم ارکان کی تعدادان کے اپنے حلف نامے کے مطابق 233 یعنی 43 فیصد ہے۔ان میں 159 یعنی 29 فیصد سنگین جرائم میں عدالت کو مطلوب ہیں۔ایسوسی ایشن آف ڈیموکریٹک الائنس کے تجزیہ پر مبنی رپورٹ کے مطابق 2009 کے مقابلہ میں 10 سالوں میں مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے ارکان کی تعداد میں چوالیس فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ اعداد و شمار سنگین جرائم میں ملوث ارکان سے متعلق ہیں جہاں تک دفعہ 144 توڑنے، بغیر اجازت احتجاج کرنے مظاہرے اور جلسہ کرنے راستوں پر رکاوٹ کھڑی کرنے اور سرکاری کاموں میں رکاوٹ پیدا کرنے کا تعلق ہے تو ایسے ممبران کی تعداد بھی کم نہیں۔ 2009 میں ایسے ارکان کی تعداد 162 یعنی 30 فیصد تھی 2014 میں 185 یعنی 34 فیصد ہوگئی ہے۔ پارٹی کے اعتبار سے اگر مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے ارکان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بی جے پی کے 303 میں سے 116، کانگریس کے 52 میں

سے 29، لوک جن شکتی پارٹی کے سبھی 6، جنتادل یونائیٹڈ کے 16 میں سے 13، بہوجن سماج پارٹی کے 10 میں سے 5 ۔ترنمول کانگریس کے 22 میں سے 9 کیمونسٹوں میں 3 اور بیجو جنتادل کے 12 میں ایک ممبر پر عدالت میں کریمنل ایکٹ کے تحت یا تو مقدمہ چل رہا ہے یا پینڈنگ ہے۔اس بار پارلیمنٹ میں پہنچنے والے ارکان میں سے سب سے زیادہ مقدمات کانگریس پارٹی سے جیت کر آنے والے کیرالہ کے رکن ڈین کاریکوسی پر ہیں۔انہوں نے اپنے حلف نامہ میں واضح کیا ہے کہ ان پر 204 مقدمات چل رہے ہیں۔"

(ہفت روزہ نقیب جلد نمبر 67 / 57 شمارہ نمبر 25 مورخہ یکم جولائی 2019 بروز سوموار)

تبصرہ قندیل ادب

خدارا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ گراوٹ کی یہ انتہا جو زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہوتی جارہی ہے آخر کیوں ہے؟ کیا ابھی قرب قیامت نہیں آیا؟ سو چو کل مولوی جس روس کے خلاف جہاد کو اسلام قرار دیتا تھا آج اس کی گود میں بیٹھا ہے شاہ سعید احمد رائے پوری کی خانقاہ رحمیہ رائے پور کا ترجمان ماہنامہ رحمیہ لاہور اپنی جولائی 2019 کی اشاعت کے اداریہ میں لکھتا ہے"بد قسمتی سے جب روس اور امریکہ افغانستان میں اپنی سرد جنگ لڑ رہے تھے تو پاکستان کے مذہبی حلقے گہرے سیاسی شعور کا مظاہرہ نہ کر سکتے اور بیش تر مذہبی حلقوں نے ریاستی اداروں کی سرپرستی میں اس عالمی سرد جنگ کے آگ اور خون کے خطرناک کھیل میں اپنے اپنے مفادات کے تحت برابر حصہ لیا۔جس پر پاکستان میں موجود مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے کھل کر تنقید کی تھی کہ عالمی طاقتوں کے سامراجی مقاصد کے لئے مذہب کے نام پر دینی جذبات رکھنے والے سادہ لوح نوجوانوں کو اس بھٹی کا ایندھن بنانا ٹھیک نہیں۔انھوں نے فرمایا تھا کہ افغانستان کے حوالے سے جہاد کے نام پر جو الاؤ بھڑکا یا جارہا ہے یہ جہاد نہیں فساد ہے اور ایک دن اس کی تپش اس خطے کو جھلسا دے گی۔"لیکن جن کی آنکھوں پر مفادات کی پٹی بندھی ہوئی تھی انھوں نے اس تنبیہ پر کان نہ دھرے بلکہ الٹا ان پر جھوٹے فتووں کی بوچھاڑ کر دی۔آج ایک بار پھر افغانستان کی جہادی قوتیں جو کل تک روس کو ملحد بے ایمان اور اسلام دشمن ثابت کر رہی تھیں وہ اسی روس کے دارالحکومت ماسکو میں انہیں ملحدین کے دروازے پر افغانستان میں موجود۔

مشتاق احمد یوسفی کے فلسفے

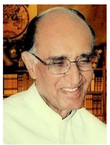

✓ - ہر آدمی اتنا برا نہیں ہوتا جتنا اس کی بیوی اس کو سمجھتی ہے اور اتنا اچھا بھی نہیں ہوتا جتنا اس کی ماں اس کو سمجھتی ہے۔

✓ - ہر عورت اتنی بری نہیں ہوتی جتنی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کی فوٹو میں نظر آتی ہے اور اتنی اچھی بھی نہیں ہوتی جتنی فیس بک اور واٹس اپ پر نظر آتی ہے۔

✓ - آج کل صابن کا اشتہارات دیکھ کر سمجھ نہیں آتی کہ انہیں کھانا ہے یا ان سے نہانا ہے دودھ، بادام اور انڈے سے بنا بس ذرا سا (LUX)

✓ - شوگر کی بیماری اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ میٹھا کھانا پینا تو کیا میٹھا بولنا بھی چھوڑ گئے ہیں۔اکثر میاں بیوی ایک دوسرے سے سچا پیار کرتے ہیں اور سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔اگر سبزہ سبزیاں کھانے سے وزن کم ہوتا تو ایک بھی بھینس موٹی نہ ہوتی۔

✓ - بیشک دکھ، حالات اور بیوٹی پارلر انسان کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔کچھ خواتین کو کچھ یاد رہے نہ رہے یہ ضرور یاد رہتا ہے کہ ہماری ایک پلیٹ اس کے ہاں گئی تھی ایک ڈش اس کے یہاں گئی تھی۔

✓ - شکر ہے شوہر عام طور پر خوبصورت ہوتے ہیں ورنہ سوچیں اس مہنگائی میں دولوگوں کا بیوٹی پارلر کا خرچا کتنا بھاری پڑتا۔

✓ - لوگ پتہ نہیں کیسے پرفیکٹ لائف گزار لیتے ہیں ہمارے تو ناشتے میں کبھی پراٹھا پہلے ختم ہو جاتا ہے اور کبھی انڈا۔

✓ - ہم پاکستانی واحد قوم ہیں جو کہتے ہیں بھائی ایک ٹھنڈی Cold Drink تو دینا۔

✓ - ایک نئی تحقیق کے مطابق، سکون صرف اس گھر میں ہوتا ہے جہاں ایک سے زیادہ چارجر موجود ہوں۔

✓ - جو بیوی اپنے شوہر کی ساری غلطیاں معاف کر دیتی ہے وہ بیوی صرف ڈرامے کی آخری قسط میں پائی جاتی ہے۔

✓ - اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو غلطی کر کے شوہر کو معاف کر دیتی ہے۔

✓ - آج کل کے چھوٹے بچوں کو کوئی بھی کام کہو تو آگے سے کہتے ہیں پھر موبائیل دو گے نا؟ پاکستان میں گھی کے ڈبے سے کار تو نکل سکتی ہے پر اصلی گھی نہیں۔

✓ -ایمبولنس ہو یا بارات دونوں کو جلدی راستہ دے دینا چاہئے کیونکہ دونوں ہی زندگی کی جنگ لڑنے جا رہے ہوتے ہیں۔

✓ -صرف ننانوے فیصد پھوپھیوں کی وجہ سے ساری پھوپھو بدنام ہیں۔

ادھیڑ عمری میں عشق ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں پرانی گیند ہی ریوس سوئنگ کرتی ہے۔

✓ -کتنی عجیب دنیا ہے، جہاں عورتیں دوسری عورتوں کی شکایت کرتے نہیں تھکتی جبکہ مرد دوسری عورتوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔

✓ -مرد واقعی عظیم ہیں پرانے زمانے میں جب کوئی اکیلا بیٹھ کر ہنستا تھا، تو لوگ کہتے تھے کہ اس پر کوئی بھوت پریت کا سایا ہے اور آج کوئی اکیلے میں بیٹھ کر ہنستا ہے تو کہتے ہیں مجھے بھی SEND کرو۔

یکسم گورکی کے ناول 'ماں' سے انتخاب

- ماں کے پاس ہر چیز کے لئے کافی آنسو ہوتے ہیں، ہر چیز کے لئے، اگر تمھاری کوئی ماں ہے تو وہ بھی یہ بات جانتی ہوگی۔
- اگر مجھے ذرا سی خوشی پیش کی جائے تو میں اس سے انکار نہیں کروں گا'' لیکن اس کے لئے بھیک کبھی نہ مانگوں گا۔''
- مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہوا۔ بچپن میں میں سب سے ڈرا کرتا تھا، پھر جب میں بڑا ہوا تو ہر شخص سے نفرت کرنے لگا۔ بعض سے ان کی کمینگی کی وجہ سے اور بعض سے معلوم نہیں کیوں، شائد یوں ہی۔ لیکن اب ہر چیز مجھے مختلف معلوم ہوتی ہے شائد اس لئے کہ لوگوں کے لئے میرا دل دکھنے لگا ہے۔ کچھ ایسا ہوا کہ جب میں نے محسوس کیا کہ لوگ ہمیشہ اپنی کمینگی کے لئے قابل الزام نہیں ہوتے تو میرا دل نرم پڑ گیا۔
- خوف نے ہم سب کو برباد کر دیا ہے۔ اور جو لوگ ہم پر حکمرانی کرتے ہیں وہ ہمارے خوف سے فائدہ اٹھا کر ہم پر اور زیادظلم کرتے رہتے ہیں۔
- مچھلی تو پیدا ہی جال کے لئے ہوتی ہے۔
- تم ابھی بالکل بچہ ہو تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی! انسان کو جنم دینا بڑا کٹھن کام ہے لیکن اس سے بھی مشکل کام ہے اسے شرافت سکھانا۔
- ڈرنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

پراپرٹی ڈیلر نے اشتہار پڑھا
''مکان برائے فروخت''

اس نے مکان کا وزٹ کیا اور ہمراہ ایک پارٹی کو لے کر گیا جو مطلوبہ مکان خریدنا چاہتی تھی جیسے ھی یہ لوگ اس گھر کے دروازے پر پہنچے ایک عمر رسیدہ بزرگ نے انھیں اندر آنے کی دعوت دی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا کہا کچھ دیر بعد ایک عمر رسیدہ خاتون خانہ چائے کی ٹرالی ٹیبل سجائے ہوئے ان لوگوں کی طرف آ رہی تھی جس پر چائے کے علاوہ گاجر کا حلوہ، نمکو، بسکٹ اور کچھ مٹھائی رکھی ہوئی تھی وہ دونوں میاں بیوی ہمارے سامنے بیٹھ گئے اور ہمیں چائے نوش کرنے کی اجازت دینے لگے میں نے ان سے کہا ہماری آج پہلی ملاقات ہے اور ہم مکان کی بات چیت کرنے آئے ہیں اور آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا؟

بابا جی نے دھیمے سے لہجے میں کہا بیٹا آپ چائے نوش فرمائیں مکان کی بات بعد میں ہوتی رہے گی ہم سب لوگ چائے سے لطف اندوز ہوتے رہے اور ساتھ کچھ گفتگو کرتے رہے کچھ دیر بعد چائے وغیرہ پی کر میں نے بابا جی سے پوچھا آپ مکان کی بات کریں یہ مکان آپ کتنے میں دیں گے؟ تو بابا جی نے کہا مکان کی قیمت پچاس لاکھ روپے ہے میں حیران ہو کر بولا بابا جی آپ کا مکان تو تیس لاکھ روپے کا بھی نہیں اور آپ پچاس لاکھ مانگ رہے ہیں؟ حیرت کی بات ہے آپ نے ہمیں چائے پلا کر ہم پر احسان کیا ہے اور مکان کی قیمت بھی بہت زیادہ مانگی ہے لہٰذا ہمارا سودا نہیں ہو سکتا تو بابا جی نے کہا کوئی بات نہیں یہ کھانا پینا کچھ نہیں انسان اپنے نصیب کا کھاتا ہے۔ خیر ہم دو تین گھنٹے وہاں گزار کر خالی ہاتھ واپس لوٹ آئے۔ تین مہینے بعد میں نے اخبار میں پھر سے اسی مکان کی فروخت کا اشتہار پڑھا اور تعجب ہوا کہ ابھی تک بابا جی کا مکان نہیں بکا دوبارہ رابطہ کرنے کے لئے ایک دوسری پارٹی کو ساتھ لے کر بابا جی کا مکان دیکھنے چلا گیا جیسے ہی دروازہ کھٹکھٹایا تو بابا جی نے پرتپاک طریقے سے اندر آنے کی دعوت دی اور ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کچھ دیر بعد وہی خاتون خانہ چائے کی ٹرالی ٹیبل لے کر ہماری طرف آ رہی تھی۔ میں نے بے ساختہ لہجے میں کہا بابا جی آپ اتنا تکلف کیوں کرتے ہیں آپ مکان کتنے میں بیچنا چاہتے ہیں بابا جی نے کہا آپ چائے نوش فرمائیں مکان کی بات بعد میں کرتے ہیں۔ پہلے کی مرتبہ اس بار بھی چائے وغیرہ پینے کے بعد کچھ گفتگو

ہوئی اور بابا جی سے مکان کی بات کرنا چاہی تو بابا جی نے پھر پچاس لاکھ کی ڈیمانڈ کردی مجھے غصہ بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی کہ یہ بابا جی دماغی مریض لگتے ہیں ہم نے اجازت طلب کی اور وہاں سے واپس آ گئے۔ اس بات کو کافی ماہ گزر گئے میرا ایک دوست جو پراپرٹی ڈیلر تھا اس کا مجھے فون آیا اور اس نے کہا ایک مکان مل رہا ہے کافی سستا ہے اگر ارادہ ہے تو چلو ساتھ تمہیں مکان دکھا دوں میں نے کہا چلو چلتے ہیں جب میں اس کے ساتھ گیا تو وہ وہی مکان تھا جو بابا جی کا تھا میں نے اپنے دوست کو ہنستے ہوے بتایا یہ بابا جی کا مکان ہے اور وہ بابا جی پاگل ہیں شاید- پھر میں نے اپنے دوست کو پچھلے دونوں واقعات سنائے تو اس دوست نے کہا اس بات میں کچھ نہ کچھ راز تو ضرور ہے، چلو پتا کرتے ہیں۔ ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو بابا جی کی نظر مجھ پر پڑی انہوں نے مجھے گلے سے لگایا اور پہلے کی مرتبہ اس بار بھی اندر آنے کی دعوت دی اور ڈرائنگ روم میں لے گئے کچھ دیر بعد وہی خاتون چائے کی ٹرالی ٹیبل ہماری طرف لاتی ہوئی دکھائی دیں بابا جی نے ہمیں چائے نوش کرنے کا کہا۔ میرے دوست نے کہا بابا جی آج ہم چائے تب تک نہیں پیئیں گے جب تک آپ ہمیں یہ نہیں بتاتے کہ آپ مکان کی فروخت کا اشتہار دیتے رہتے ہیں لیکن مکان فروخت نہیں کرتے اور جو مکان خریدنے آتا ہے اس کی تواضح کر کے اسے بھیج دیتے ہیں، آخر ماجرا کیا ہے؟ یہ بات سن کر بابا جی نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور اداسی والی نگاہوں سے میری طرف پلٹے اور کہا ہم نے مکان نہیں بیچنا، ھم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر کوئی آتا جاتا رہے ہم کسی سے بات چیت کرتے رہیں اور کوئی ھم سے باتیں کرے ہم بوڑھے ہیں لاچار ہیں ھمارے 3 بیٹے ہیں جنھیں ہم نے اچھی تعلیم دلوائی وہ ملک سے باہر ہیں لیکن ہمارے لئے نہ ہونے کے برابر ہیں ہم اکیلے پن کی وجہ سے اپنے آپ کو اس گھر کی دیواروں کو دیکھ دیکھ کر اکتا گئے ہیں۔ اس لئے ہم نے سوچا ھم اپنی اس اداسی کو لوگوں کی تواضح سے ختم کریں ان کی باتیں سن کر میرا دل پسیج گیا اور میں نے سوچا بڑھاپا اور اکیلا پن ان دونوں چیزوں کے ساتھ زندگی کس قدر کٹھن ہے۔ بابا جی نے کہا بیٹا دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سب کچھ پاس ہے لیکن بڑھاپے میں اولاد کا سہارا ہی ساتھ دیتا ہے- بڑھاپے میں بوڑھے والدین کو آپ کے پیسے کے نہیں بلکہ آپ کی ضرورت زیادہ ہوتی ھے۔ لہٰذا والدین کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں۔ شکریہ۔ اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین! (منقول)

میرے شعر بھی تو سدھر گئے

اطہر حفیظ فراز

جو ادھر سے آئے، ادھر گئے، وہ ہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے خود بھنور میں اتار کر میرے یار پار اتر گئے
ہمیں عشق پہ بڑا ناز تھا، وہی عشق ہم کو رلا گیا،
وہ گلی بہت تھی سجی ہوئی، نہ وہاں رہے، نہ ہی گھر گئے
وہ قرار پر جو قرار تھے، وہ جو عہد پر ہوئے عہد تھے،
جنھیں سانس میں تھا بسا لیا، وہ تو قول سے ہی مکر گئے
تجھے زندگی جو بنا لیا، تجھے بندگی میں بسا لیا،
تیرا حکم تھا ڈھلے شام نہ، میں پہنچ گیا تھا سہ پہر گئے
میں جوان تھا میرے گیت میں تیرا حسن تھا، تیرا نام تھا،
جونہی عمر ڈھلنے لگی میری، میرے شعر بھی تو سدھر گئے
میرے خون میں ہے وفا بھری، میرے لفظ لفظ میں روشنی،
وہ قلم قبیلے کا حسن ہیں، میرے بچے بھی میرے پر گئے
جونہی وہ شریک سفر بنے، تو یہ خواب میں ہوئے سانحے،
''وہ جدا ہوئے تو سنور گئے، ہم جدا ہوئے تو بکھر گئے''
کبھی رکھ رکھاؤ کے واسطے، کبھی مصلحت میں پھنسے ہوئے،
کئی محفلوں میں ارادتاً نہیں جانا تھا ہاں مگر گئے
یہ دل و نظر کے معاملے بھی عجیب ہیں، نہ سمجھ سکے،
جہاں رکنا تھا وہاں چل دئے، جہاں چلنا تھا واں ٹھہر گئے
تو قریب تھا تو یہ وحشتیں بھی ڈری ڈری تھیں، پرے پرے،
تیری بے رخی جو سبب بنی، میرے درد بھی تیرے سر گئے
نہ ہی دیپ ہے، نہ چراغ ہے، نہ ہی جگنوؤں کا گزر ہؤا،
میری شب بنی ہے اماوسی، میرے چاند!! تم ہو کدھر گئے
یہ ستمگروں کا جہان ہے، میرے نوجوانو!! یہ جان لو!!
جو ڈرے نہیں وہ مہان ہیں، وہ جو ڈر گئے وہ ہی مر گئے
میرے شعر حسن بیان ہیں، میرے شعر جان جہان ہیں،
وہ فراز!! جن کو خبر نہیں، وہ تو کب کے دل سے اتر گئے

افسانچہ: تحریر۔مبشرہ ناز

ماضی کے جھروکوں سے

چھوٹے بھیا میڈیکل کے چوتھے سال میں تھے جب ابا جی کی آنکھوں میں موتیا اترا۔سیدھے سادھے معصوم ابا جی سونے کا کام جانتے تھے۔آبائی پیشہ تھا گاؤں میں چھوٹی سی دکان بنارکھی تھی۔موتیا اترا تو ابا جی کی آنکھوں میں تھا مگر اثر ملازموں کی بینائی پر ہوا۔جنہوں نے ابا جی کی کمزور نظر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہیں مالی نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔دل کی آنکھ نابینا ہو چکی تھی بدنیتی عرصے کے ساتھ اور شفقت کو گھن کی طرح چاٹنے لگی تھی۔کبھی انگوٹھی چوری ہوتی اور کبھی کان کی بالی۔چھوٹے بھیا کی پڑھائی کا خرچ اور آنکھ کے موتیئے میں اکثر ٹھنی رہتی۔ابا جی قرض دار ہوتے گئے۔سیدھے سادھے معصوم ابا جی جو خود بھی اپنے سونے کی طرح ہی خالص تھے۔جن میں دنیا پرکھنے کی صلاحیت بہت کم تھی۔آسانی سے داؤ لگواتے رہے۔آخرِ کار دکان بند کرنا پڑی۔بڑے بھیا جو اس وقت نئے نئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے خرچہ پانی جتنا ہوسکتا بھیج دیتے۔چھوٹے بھیا ڈاکٹر بننے کے بعد نوکری ملتے ہی دوبئی چلے گئے۔کام پر لگنے کہ کچھ عرصے بعد ہی چھوٹے بھیا نے باہر سے پانچ ہزار روپیہ بھیجا۔اس زمانے میں سونا ڈھائی سو روپے تولہ ہوا کرتا تھا۔پانچ ہزار ایک بڑی رقم تھی۔

بڑے بھیا نے مجھے اور اماں جی ابا جی کو ساتھ لیا اور ہم اپنے آبائی گاؤں کو چل دیئے۔بڑے بھیا نے ڈھول بجانے والے کو بلایا اور کہا ڈھول بجاؤ اور اعلان کردو ابا جی کہ ذمے جس جس کا بھی قرض ہے آ کر لے جائے۔ڈھول بجتا رہا لوگ آتے گئے۔اسٹامپ پیپر دکھاتے بڑے بھیا قرض ادا کرتے اور انگوٹھا لگواتے گئے۔ابا جی کے ہر انگوٹھے کے آگے ''paid'' کی مہر لگتی رہی۔ہر انگوٹھے کے بعد اماں جی کے ہونٹ مسکراتے اور آنکھ سے شکرانے کا ایک آنسو نکل کر مٹی میں جذب ہو جاتا۔اماں جی کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ابا جی قرض کی ادائیگی کی فکر سے اکثر بہت بے چین رہا کرتے۔میں نے اس سے پہلے ابا جی کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔اُس دن میں اس بات کا مطلب سمجھ گئی تھی کہ دعائیں کروانے اور دعائیں لینے میں کیا فرق ہوتا ہے۔والدین کے دل سے نکلنے والی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔گاؤں سے واپسی کا سفر شکرانے کا سفر تھا۔راستے اُن دعاؤں کے آج بھی گواہ ہیں آج بھی فضاؤں میں دعاؤں کی خوشبو گھلی محسوس ہوتی ہے ابا جی اور اماں جی بار بار شکر ہے مولا کہتے اماں جی کا پلو اور ابا جی کی پگڑی کا طرہ دونوں ہی گیلے تھے۔میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی۔!ڈھول والا ڈھول بجاتا اس کی ہر تھاپ میرے دل پر لگتی اور دعاؤں میں تحلیل ہو کر نیلی فضاؤں میں جا بستی۔ڈھول کی وہ آواز عمر بھر میرے ساتھ رہی۔اُس زمانے میں میری اماں جی کی آنکھوں نے بچوں کو بڑا آدمی بنانے کا سپنا بن لیا تھا۔سیدھے سادھے ابا جی کا ساتھ اور بڑے بڑے خواب۔تعبیریں عمر اور ریاضت مانگتی تھیں۔ارادہ اٹل تھا۔ہتھیار دعا۔اماں جی بڑی ہنر مند تھیں خواب بُننے کے لئے دعاؤں کی سلائی پر گھرے ڈال رکھے تھے۔سیدھا خانہ ہو یا الٹا نتیجہ درست ہی نکلتا۔حق تو ادا نہیں ہوسکتا مگر چھوٹے بھیا نے ابا جی کے موتیے کی لاج رکھ لی۔

باوارث اور لاوارث

رحیم یار خان میں تھپڑ کھانے والے اے ایس آئی کو دیکھ کر بے اختیار کراچی کے الیکشن کا واقعہ ذہن میں آ گیا۔جس میں ایک خاتون صحافی نے ایف سی کے جوان کی یونیفارم کو پکڑا ہی تھا کہ ایک زناٹے دار تھپڑ کی گونج پورے پاکستان میں سُنی اور دیکھی گئی۔اور پھر اس اہلکار پہ مقدمہ درج کیا گیا،مگر اسکے وارث زندہ تھے دلیر اور باضمیر تھے،ایک مقدمہ اس خاتون پہ بھی ہوا اور آخر اس نے صلح کی کہ زیادتی کی شروعات اسکی طرف سے ہی ہوئی۔دوسرا وقوعہ ایک لاوارث کے ساتھ ہوا،بے بس اور بے اختیار تھپڑ کھاتا رہا،جسکو سمجھ ہی نہیں آئی کہ ردعمل کیا دینا،کسی انجانے خوف نے اس کو جکڑے رکھا،مجھے نہیں اندازہ گھر کیا منہ لے کے گیا ہوگا۔اور اس کے بچوں نے کس کرب اور ذلت کی سوچ کے ساتھ سامنا کیا ہوگا،کیونکہ انکے والد کا تماشہ ساری دنیا نے دیکھا۔آج وکیلوں،چوہدریوں اور صحافیوں کے منہ میں آ بلے پڑ گئے جو سارا دن پولیس کے خلاف ویڈیوز ڈھونڈتے اور اپنے اندر کے کریمنل کی آتما کو شانتی دیتے۔اس لئے ان سے نہیں آج پولیس والوں سے کہتا ھوں کہ اگر کوئی وارث نہیں بنتا تو اللہ کریم کو اپنا وارث مان لو،اس ذات پہ مکمل ایمان رکھو،اس نے جو رزق نصیب میں لکھ دیا،ملے بغیر موت نی آئے گی۔افسران جیسے کہتے ہیں ویسے نوکری کرو،مگر خدارا اپنی عزت نفس کو تو مجروح نہ ہونے دو،ورنہ کل یہ تھپڑ سب کو پڑیں گے۔(منقول)

میں خود سے متاثر ہوں

محسن خان حیدرآباد، تلنگانہ انڈیا

ہمارے استادِ محترم جو حیدرآباد دکن کی معزز شخصیت ہیں‘ اُن سے حال ہی میں ایک قومی اردو چینل کے صحافی نے سوال کیا کہ آپ نے اتنی کتابیں لکھیں‘ کئی ادبی اجلاس ومشاعرے منعقد کیے اور دن رات اردو کے فروغ کے لیے اپنا وقت دیتے رہے‘ آپ کس سے متاثر ہیں؟ اس پر موصوف نے صحافی کو جواب دیا کہ میں خود سے متاثر ہوں۔ بہت اچھی بات ہے انسان کوسب سے پہلے اپنی قدر کرنی چاہئے اور آج کل معاملہ بھی یہی چل رہا ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور قول ہے: Self help is the best help اور اسی پر اردو اکیڈیمی کے ممبران عمل پیرا ہیں۔

کہہ دو وقت کے سخنوروں سے محسن   آج کے میرؔ وغالبؔ ہم ہی ہیں

بزم صدف کا قافلہ جب حیدرآباد پہنچا اور مجتبیٰ حسین کو میڈیا پلس آڈیٹوریم میں بزم صدف انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔تقریب کے بعد ماہر معاشیات‘ سماجی جہدکار‘ اردو کے سپاہی‘ پانچ کتابوں کے مصنف‘ ایسا کوئی دن نہیں جاتا جب تک ان کی چار پانچ اخباروں میں تصاویر نہ چھپی ہوں۔فیس بک کھولتے ہی آپ کی تصاویر‘ اخبار کے تراشے اور دیگر ویڈیوز وغیرہ آجاتے ہیں‘ میں بات کررہا ہوں کولکتہ سے ہجرت کرکے حیدرآباد تشریف لائے ڈاکٹر مختار احمد فردین کی۔ آپ نے اس شام بزم صدف کے قافلہ کو اپنے گھر پر دعوت دی۔اس وقت میری ایک کتاب ’’رشحاتِ محسن‘‘ بھی شائع ہو چکی تھی۔ گلبن کے جناب مہتاب قدر صاحب بھی قافلہ میں موجود تھے تو ایک صاحب نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ محسن خان ہے اور ان کی حال ہی میں ایک کتاب ’’رشحاتِ محسن‘‘ شائع ہوئی ہے۔تو مہتاب قدر صاحب جو فاصلہ پر تھے جملہ مکمل نہیں سن سکے انہوں نے پوچھا ماشاءاللہ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بڑی کتاب ’’ارشاداتِ محسن‘‘ چھپ گئی ہے بہت بہت مبارک۔ میں نے کہا مہتاب صاحب ارشاداتِ محسن نہیں رشحاتِ محسن۔تو آپ نے فرمایا ایسے ہی لکھتے رہئے ایک دن ارشاداتِ محسن بھی آجائے گی۔مہتاب صاحب کے اس جملے سے ہم خود بھی متاثر ہوگئے تھے پھر ہمارے دوست کی ہدایت یاد آگئی کہ دنیا میں کسی سے متاثر نہیں ہونا اور لوگ چاہے کتنا بھی چنے کے جھاڑ میں چڑھائیں تم زمین سے جڑے رہنا۔دعوت میں بزم صدف میں شامل مختلف ریاستوں اور بیرونی ممالک سے آئے مہمانوں کے علاوہ حیدرآباد کی مختلف اردو انجمنوں کے صدور‘ شاعر اور ایک مشہور رسالہ جس سے تمام اردو والے سفر(Suffer) ہوتے ہیں وہ بھی موجود تھے۔جب کھانے کے بعد کچھ سمجھ نہیں آیا کیا کریں؟ تو بحث شروع ہوئی کہ آپ ہم کو اپنے جلسوں میں بلاتے نہیں‘ شمال کی اردو ایسی ہے‘ جنوب کی اردو ویسی ہے‘ شمال کے صاحب کہنے لگے کہ آپ لوگ کاف قاف خے کا تلفظ ٹھیک ادا نہیں کرسکتے تو جنوب کے صاحب بولے ہم کاف قاف کے ساتھ گاف بھی ایسا بول سکتے ہیں کہ اس کے بعد آپ کچھ سننے کے قابل نہیں رہیں گے۔مگر آپ لوگ موقع ہی نہیں دیتے۔ خیر بحث طویل ہوئی اور ایک پروفیسر صاحب چھت سے کود جانے والے تھے جنہیں میں نے بچایا اور سب کو سفر(Suffer) کرانے والوں کو ان کے گھر تک چھوڑ کر آیا۔

خیر یہ باتیں تھی آپس میں ایک دوسرے کو بڑا سمجھنے والوں کی۔اب حال یہی ہوگیا ہے ہندوستان کی تمام اردو اکیڈیمیوں سے سب لوگ پریشان ہیں کہ یہ اردو اکیڈیمیاں اردو کے فروغ کے لیے کام کررہی ہیں یا اردو والوں کو لڑانے کے لیے نئے نئے اعلانات کررہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر ہندوستان میں اردو والوں میں خانہ جنگی ہوگی تو شاید اردو اکیڈیمیوں سے ہی اس کا آغاز ہوگا۔جب بھی فیس بک کھولتا ہوں تو اردو اکیڈیمی کے چیرمین کے تعلق سے نظر آتا ہے’’نعمان صاحب وہ مشاعرہ پڑھا تھا میں نے‘ اس کے پیسے کب دیں گے؟۔آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کی جانب سے منعقدہ سمینار اور مشاعرہ میں پڑھنے والوں کو ان کا بھتہ نہیں ملا۔اور کئی لوگ عدالت سے بھی اس سلسلے میں رجوع ہوئے ہیں۔بزم صدف کی طرف سے جو لوگ آئے تھے ان کی الگ الگ داستان گویاں ہیں‘ ان کو تو پیسے مل گئے لیکن دوسروں کو کچھ نہیں ملا۔مختار صاحب کو قطر کا شاعر بتایا گیا اور ارتضیٰ کریم کو بھی شاعر بنادیا گیا۔میں مختار صاحب سے سمینار سے واپسی کے بعد ملا اور پوچھا کہ آپ قطر سے ہیں اور آج تک نہیں بتایا۔وہ بولے مجھے بھی پہلے بار معلوم ہوا کہ میں قطر سے ہوں۔خیر اردو والے اپنے ہی لوگ ہیں سب چلتا ہے۔دیمک چاٹ رہی ہے محسن اردو کی بنیادوں کو سارا تماشہ ایک چھلاوہ خدمت ودمت کا ہے کی

اردو کا نام آتے ہی متنازعہ الفاظ اس سے جڑ جاتے ہیں۔ چاہے وہ اکیڈیمی کے کارنامہ حیات ایوارڈ کا معاملہ ہو یا اردو افسروں کا تقرر‘ حیدرآباد کے حلقہ چندرائن گٹہ سے اکبر اویسی کے خلاف بی جے پی کی ٹکٹ پر لڑنے والی سیدہ شہزادی کو این سی پی یو ایل کا رکن مقرر کرنا ہو یا مولانا آزاد نیشنل اردو یونی

ورسٹی میں غیراردوداں پروفیسروں کا تقرر یا لنگی لنگی کا کھیل ہو یا پھر اردو کی انجمنوں کی آپسی لڑائی۔ان وجوہات کی وجہ سے ہی نوجوان نسل اردو سے دور ہورہی ہے۔

غضنفر اقبال نے ان حالات پر اردو کے ایک اسکالر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ روزنامہ مصنف میں سب ایڈیٹر کے لیے انٹرویو چل رہے تھے 'تمام درخواست گذار انٹرویو دے کر چلے گئے تو ایک لڑکی نے ایک خط لا کر دیا جس میں لکھا تھا کہ میں ایک مجبور عورت ہوں اور اردو کی اسکالر ہوں اور مجھے اس ملازمت کی ضرورت ہے ۔لڑکی نے اپنی درخواست میں عورت کوالف سے لکھا تھا۔بچپن میں ہمارے بزرگ ہفتہ میں کبھی کبھی صدقہ کے پیسے دیتے تو کہتے کہ جا کر غریبوں کو دے آؤ۔ہمارے ایک دوست بہت ہی ہوشیار تھے ۔وہ بولتے تھے ارے اس پیسے کے سب سے پہلے حقدار ہم اور تم ہو' کیوں کہ ہم اتنے غریب ہیں کہ ہمارے پاس سائیکل ہے جس پر ہم سفر کرتے ہیں اور ہم بے روزگار بھی ہیں اس لیے اس کا پہلا حق ہمارا ہے اور ہم لوگ ان پیسوں کو خود پر خرچ کر لیتے تھے۔اسی طرح کے معاملات اکیڈیمیوں میں ہورہے ہیں ہر کوئی اپنے آپ کو ایوارڈ کا مستحق سمجھ رہا ہے اور یہاں تک کہ جیوری جس کو ایوارڈ دینے کی ذمہ داری دی جاتی ہے وہ لوگ خود آپس میں ایک دوسرے کو ایوارڈ بانٹ رہے ہیں۔ بندر بانٹ کا معاملہ چل رہا ہے۔ اتر پردیش اکیڈیمی کی چیئر پرسن نے خود اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ایک لاکھ کے انعام کا خود کو مستحق قرار دیدیا'اسی طرح ایک اور رکن پروفیسر عباس رضا نیر نے اور مجلس عاملہ ایک اور رکن نے بھی خود کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایوارڈ کا مستحق قرار دیدیا۔یہی معاملہ تلنگانہ اردو اکیڈیمی میں بھی پیش آیا جہاں جیوری کے ارکان نے ایک دوسرے کو نامزد کیا جس پر ہمارے شہر کے ایک جذباتی صحافی نے عدالت سے رجوع ہو کر اس کو رکوادیا۔ مجھے تکلیف اس بات کی ہوئی کہ ہمارے استاد ڈاکٹر م ق سلیم صاحب کو بھی کارنامہ حیات ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تھا اور ہم نے ہار لیکر ان کی گلپوشی انجام دی اور ایوارڈ حاصل کرنے والے ایک اور اردو خادم ڈاکٹر نادر المسدوسی کے ہال جانے والے تھے اور فون کیا کہ ہار خریدنے جا رہا ہوں آپ کی گلپوشی کا ارادہ ہے تو آپ نے فرمادیا کہ میں قطر میں ہوں اور ہار بعد میں پہن لوں گا ۔خیر ہمارے پیسے بچ گئے لیکن بعد میں معلوم اور افسوس ہوا کہ کارنامہ حیات ایوارڈ کسی کو بھی نہ مل سکا۔حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے۔

پچھلے ہفتہ مغربی بنگال اردو اکیڈیمی کی جانب سے ایک سمینار رہا جس کا موضوع تھا''مشتاق اعظمی' شخصیت اور فن''۔مشتاق صاحب کے تعلق سے کئی محققین نے کہا کہ انہوں نے اب تک کوئی افسانہ نہیں لکھا ہے۔ وران کے تعلق سے دوماہی گلبن لکھنو کے شمارہ میں اردو ادب کے ایک اور مجاہد ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (بھاگلپور) لکھتے ہیں''ڈاکٹر مشتاق اعظمی میرے شاگرد ہیں' میں انہیں معاوضہ پر افسانے لکھ کر دیتا ہوں۔ پہلا معاوضہ فی افسانہ پانچ سو روپے تھا' وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اور اعظمی کی مقبولیت کو دیکھ کر اس کی قیمت کو پانچ ہزار کردیا''۔اس پر بھی خوب ہنگامہ ہوا اور دوسروں کی پول کھولنے کے چکر میں وہ خود اپنے پول کھول بیٹھے ہیں اور پہلی بار یہ دیکھنے میں آیا کہ اس تعلق سے لوگوں نے کولکتہ کے زکریا اسٹریٹ پر رابندر اسرانی امن یوتھ کے ساتھ مل کر سڑکوں پر احتجاجی جلسے منعقد کیے۔ مدھیہ پردیش اردو اکیڈیمی کی جانب سے بھی اقبال ایوارڈ پر تنازعہ چل رہا ہے۔لڑائیوں کی وجہ سے ہی اب اردو ہندوستان میں غیر ملکی زبان بن گئی ہے پنجاب یونی ورسٹی نے اردو کو بیرونی زبانوں کے زمرہ میں شامل کردیا ہے ۔اردو کو نقصان بین الاقوامی سمیناروں سے ہی ہورہا ہے جہاں یونیورسٹی کے پروفیسر ایک دوسرے کو بلا کر وقت گذاری کر رہے ہیں اور دوسری طرف اردو اسکولس' کالجس اور اردو شعبوں کو تالے لگ رہے ہیں۔ان اکیڈیمیوں کے گھر والوں اور دوستوں سے گذارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کا رشتہ دیکھنے کے لیے جب جائیں تو ان لوگوں کو ساتھ نہ لے جائیں ورنہ یہ لوگ خود اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کردیں گے کیوں کہ یہ ہر جگہ خود کو ہی نامزد کرتے ہیں۔

''سید''اور''غیرسید''

''سید''عربی زبان میں Mr یا صاحب کو کہتے ہیں اور ہم لوگوں نے اسے سُپر ذات بنالیا ہے-اسلام میں اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ سید ہیں اور میں سید نہیں ہوں اور یہ سید پاک وہند میں ہی کیوں پائے جاتے ہیں مکہ مدینہ میں کیوں نہیں؟ اسلام میں نسلی تفاخر نہیں ہے بلکہ یہ تو اس نسلی تفاخر کو ختم کرنے آیا ہے-وگرنہ (معاذ اللہ) ہندوازم اور اسلام میں کیا فرق رہ جاتا؟ وہاں بھی تو یہی ذات پات اور نسلی تفاخر ہے-اسلام میں فضیلت کی بنیاد صرف اور صرف تقوی ہے اور یہی قرآن کا فیصلہ ہے! عالم ڈائری مورخہ ٦ اپریل ٢٠١٩

فرزانہ فرحت
مترنم لہجہ کی سبک رفتار شاعرہ

امجد مرزا امجد

یوں تو برطانیہ و یورپ میں درجنوں نہیں سینکڑوں شاعر و شاعرات دن رات ادبی خدمات کا جذبہ لئے قلم کے جوہر دکھا رہے ہیں ۔ ہر ہفتے ایک دو کتابیں بھی منصۂ شہود پر نظر آتی ہیں ۔مشاعروں میں بھی اپنے اپنے انداز میں شاعری کے جوہر دکھائے جاتے ہیں ۔مگر آج جس شاعرہ کا ذکر میں کرنے چلا ہوں وہ ان سب سے جدا انداز و بیاں رکھتی ہیں ۔سب سے پہلے تو جس بات نے مجھے متاثر کیا وہ ان کی نسوانی شرم وحیا اور حجاب ہے ۔جو ایک مسلم خاتون کا زیور ہے ۔ بے شک آپ مشاعروں میں حصہ لیتی ہیں مگر بڑے محتاط ہو کر ۔۔جس کا ثبوت آج کی اس ادبی محفل میں آپ محسوس کر سکتے ہیں ۔آپ نہایت مخلص سادہ مزاج اور مذہبی رجحان کی خاتون ہیں ۔

؎ دیکھ کر حیران نہ ہو تُو مرا سادہ مزاج
یہ تو حصہ ہے مرے کردار میری ذات کا

مگر ساتھ ان کا کہنا ہے کہ

؎ میرے دل میں پیار کا موسم رہا ہے اس طرح
جس طرح صحراؤں میں موسم رہے برسات کا

آپ ایک مخلص پیار کرنے والی اور عزت و احترام کرنے والی خاتون ہیں اور انسانی زندگی کا اہم ترین کلیہ ہے کہ جتنی عزت جتنا پیار آپ دوسروں کو دیں گے اس سے دگنا واپس آپ کو ملے گا ۔میں اپنی بہت ہی محترم بہن معروف شاعرہ تین شعری مجموعوں کی خالق جن کے نئے شعری مجموعہ کلام ’’آنسو‘‘ کی تقریب رونمائی میں ہم آج شریک ہوئے ہیں ۔محترمہ فرزانہ فرحت صاحبہ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اور دلی دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کی صحت تندرستی ،گھر بار اولاد رزق اور قلم میں مزید برکت دے آمین ۔

خدا گواہ ہے اور امید ہے کہ میرے قریبی دوست احباب میری اس عادت سے واقف ہیں کہ میں کبھی جھوٹی تعریف نہیں کرتا ۔۔اگر مجھے کسی بات پر اعتراض ہو تو اتنی اخلاقی جرات اللہ نے دی ہے کہ بھری محفل میں بھی اعتراض کر دیتا ہوں ۔ چاہے وہ زبانی ہو یا تحریری ۔مگر جو لوگ مخلص ہو کر کمیونٹی اور ادب کے لئے کام کر رہے ہیں ان کے لئے میرے پاس محبت عزت اور الفاظ کی کبھی کمی نہیں ہوئی ۔۔میں کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں ۔خاص کر کے وہ قلمکار جو محنت کے ساتھ سرمایہ کاری کر کے ادب کو کتاب دان کرتے ہیں ۔ان کے لئے میرا لکھنا میرے لئے فرض بھی ہے اور میرے لئے اعزاز بھی ...!!! دوستو! شاعری ایک نزول ہے ۔۔یہ آسمان سے اُترتی ہے ۔اور یقین مانیں کہ اس کا اپنا ایک وقت ہوتا ہے ۔کئی بار گھنٹوں بیٹھے سوچتے رہیں تو ایک شعر نہیں بن پاتا ۔۔اور کئی بار اس طرح جھرنا پھوٹ پڑتا ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا ... ہماری شاعرہ پر یہی اللہ کا کرم ہے کہ ان پر جھرنے نہیں بلکہ آبشاریں پھوٹتی ہیں ۔ بقول ان کے ایک ایک نشست میں کئی کئی غزلیں وارد ہوتی ہیں ۔ابھی ان کی مزید کتابیں بھی آگئی ہیں اور کلیات بھی ... مگر بقول ان کے پہلے اپنے اس مجموعہ کلام ’’ آنسو‘‘ کی تقریب ہو جائے .. ان کی شعری انفرادیت پسندی اور اچھوتے پن کی خواہش ان سے کیسے کیسے اچھوتے شعر کہلواتی ہے ۔آپ کے اشعار میں ہر وہ بات ہے جو شاعر کو شہرتِ دوام عطا کرنے کا سبب ہوتی ہے ۔ ورنہ یہ دنیا کسی کو یوں ہی مشہور نہیں ہونے دیتی ۔

شفاف آئینے پہ ہے تصویر سی بنی
مقبول ہو رہی ہے کوئی تو مری دعا
عزت مجھے ملی ، مجھے اُونچا ملا مقام
پہنچی بلندیوں پہ ہے جا کر مری صدا

اس سے قبل ان کے دو مجموعاتِ کلام ’’خواب خواب زندگی‘‘ اور بدلتی شام کے سائے‘‘ نے شائع ہو کر دنیائے ادب میں ان کا اعلیٰ مقام بنا چکے ہیں ۔ان کی شاعری ہندو پاک کے بے شمار ادبی جریدوں کی زینت بنتی ہے اور ان کے کلام کو سراہا جاتا ہے ۔ بیرون ملک کے کئی عالمی مشاعروں میں بھی کئی بار شرکت کر چکی ہیں ۔ایک ادبی رسالے ’’ کی مدیرہ بھی ہیں ۔ان کی شاعری ایک اداس شاعری ہے ۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی دکھ اسے شاعر بنا دیتا ہے ۔اور دکھ سکھ تو ہر انسان کی زندگی کے لازمی جز ہیں کوئی بھی انسان ان سے خالی نہیں ۔ ان کے سرجن بھائی جو اپنے ہنر میں کمال رکھتے تھے وہ ایک دہشت گردی کا شکار ہو کر شہید ہو گئے ۔ اپنے بھائی کی جدائی کا دکھ ان کی شاعری میں نمایاں ملتا ہے ۔ زندگی کا سفر بھی عجیب سا ہوتا ہے جس میں جہاں گلاب کے پھول کھلتے ہیں وہاں کانٹے بھی اس سفر میں شامل ہو جاتے ہیں ۔ دکھ درد کے زخم مندمل ہوتے ہیں تو دل نئے نئے زخم پالنا شروع کر دیتا ہے ، کبھی سورج کی تپش کے ساتھ کارواں جاری رہتا ہے تو کہیں صحرا بھی سفر میں حوصلہ دینے لگتے ہیں ۔ انہی جذبات کے ساتھ آپ لکھتی ہیں ۔

فرحتؔ تمام عمر اداسی تھی میرے ساتھ
حسرت کا کوئی خار سا دل میں چبھا رہا

اپنی شاعری میں فرزانہ فرحت نے اپنے تمام تر احساسات، جذبات و مشاہدات اور تجربات کسی بیکراں ہجر کی مسلسل دہکتی بھٹی میں ریاضت کی کٹھالیوں میں کندن کرتے ہوئے سچائی کے غماز لفظی پیکر تراش کر اس مجموعہ کلام کے سپرد کر دئے ہیں۔

میرے پیروں میں تو کانٹے ہی چبھے ہیں فرحتؔ
میرے اس باغ کی پھولوں بھری تو ڈال نہ دیکھ

ہر شاعر کے کلام میں آپ انہی جذبات کو پائیں گے جن سے وہ گزر کر آ رہا ہے یا جو اس پر گزر رہے ہیں۔ ویسے بھی ہم اس پردیس میں چاہے صدیاں کیوں نہ گذر جائیں پردیسی ہی رہیں گے اور اپنے مادر وطن کی یاد اور ایک کسک درد ہمیشہ تڑپاتا رہے گا۔ اور یہی درد ہماری شاعری میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے حالات و واقعات ہماری زندگی پر اثر رکھتے ہیں۔ اور ہماری قلم ان جذبات کو بار بار دہراتی رہتی ہے۔

وطن حاصل کیا تھا تو عداوت بھی بھلا دیتے
مگر ہیں نفرتوں کے خار دامن گیر برسوں سے
بہت برسوں سے جس گھر میں ٹھکانہ ہے مرا فرحتؔ
بڑے کمزور ہیں چھت کے مرے شہتیر برسوں سے

اب آئیے کچھ کتاب کے بارے میں بات کرتے ہیں میں چونکہ پبلشر کمپوزر بھی ہوں لہذا میرا دھیان کتاب کی بناوٹ اور شکل وشباہت پھر بھی رہتا ہے۔ آپ کی یہ کتاب فیصل آباد کے پبلشر ''قرطاس'' نے 15 فروری 2019 کو شائع کی۔ خوبصورت دیدہ زیب چار رنگے سرورق کے ساتھ مجلد اسی گرام کے قیمتی کاغذ پر 128 صفحات پر مشتمل ہے جس میں ابتدائی مضامین جناب ڈاکٹر ریاض مجید، مظفر احمد مظفر انڈیا یوپی کے معروف ادیب شاعر ڈاکٹر نذیر فتح پوری اور صوفیہ انجم تاج نے بڑی تفصیل اور سیر حاصل لکھے۔ اس میں نظمیں غزلیں حمد اور نعت بھی شامل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ محترمہ فرزانہ فرحت صاحبہ کے اس مجموعہ کی برطانیہ و یورپ کی ادبی دنیا میں اس کی پذیرائی ہوگی اور پسند کی جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی شاعرہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اپنے ادبی ذوق کی تسکین اور حسنِ مطالعہ سے کتاب کو حاصل کریں گے۔ ایک بار پھر محترمہ شاعرہ کو دلی مبارکباد اور دعا کہ اللہ کرے۔ خدا کرے کہ ہو زورِ قلم اور زیادہ۔

مستقبل کی تعمیر

عاصی صحرائی

مجھے اپنے بہتر مستقبل کے لئے اور پیسہ کمانے کے لئے باہر جانا تھا۔ میں نے لندن جانے کا پروگرام بنایا۔ بابا نے مجھے ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی کہ بیٹا ہجرت صرف بڑے مقصد کے لئے کرتے ہیں تم دنیا کمانے کے لیے ہجرت کرنا چاہتے ہو جس کی قیمت مچھر کے ٹوٹے ہوئے پر کے برابر بھی نہیں۔ پتر اپنی پہچان چھوڑ کر مت جاؤ۔ پاکستان ہماری پہچان ہے درخت بھی ہمیشہ اپنے پتے تبدیل کرتا ہے جڑیں نہیں مگر میں نہ مانا۔ ایئرپورٹ پر مجھے رُخصت کرتے ہوئے بابا بولے بیٹا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں بڑھاپا جسم کی جلاوطنی کا نام ہے۔ پتر بڑھاپے کی زندگی اور دیوار پر لکھی لکیروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا ان کو مٹانے کے لئے ایک بارش ہی کافی ہوتی ہے پھر ضبط کا مضبوط حصار توڑ کر کر کچھ آنسو میرے باپ کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ مجھے بولے بیٹا پچھتاوا بقیہ عمر ضائع کر دیتا ہے اور پھر آدمی کو خشک سمندر کی لہروں کا شور عمر بھر سونے نہیں دیتا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر بولے! سنو تم خواب ہو میرے، سنو تم خواب ہو میرے پھر مجھے گلے لگا کر کر میری طرف دیکھے بغیر ایئرپورٹ سے باہر نکل گئے اور پھر میں یہاں لندن میں دنیا کی دلدل میں گم ہو گیا۔ ایک گوری سے شادی کے بعد مجھے یہاں کی نشنیلٹی بھی مل گئی تھی۔ کئی سال تک بابا سے رابطہ نہ ہو سکا۔ سال پہلے ان کا خط آیا تھا۔ لکھا تھا بیٹا اب تم پاکستان آئے بھی تو مجھے دیکھ کر تمہیں مایوسی ہوگی۔ اب تم میرے چہرے کو دیکھ کر ڈر جاؤ گے کیونکہ اب اس پر سرسوں کی پیلی رُت اُتر چکی ہے۔ تھوک کے خون سے یقینا تمہیں نفرت ہوگئی مگر اب یہ طبیب کے بس میں بھی نہیں رہا۔ اب تم مجھ سے ٹوٹ کر پیار نہیں کر سکو گے اور یقینا اپنی بیوی بچوں کے پاس پلٹ جاؤ گے۔ بیٹا مجھے تیری جدائی نے مار دیا ہے ورنہ میں اپنے مرنے تک جینا چاہتا تھا۔ بیٹا میری آنکھوں کا دریا سوکھ گیا ہے۔ افسوس میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ دو جملوں کا ہی سہی خط کا جواب دے دیتا۔ میں ایک دن اپنے گھر میں بیٹھا اپنی بے حساب دولت کا حساب کر رہا تھا کہ میرا ایک پرانا دوست مجھ سے ملنے آ گیا پوچھنے لگا کب سے پاکستان نہیں گئے...؟ میں نے کہا 11 برس بیت گئے ہیں وقت ہی نہیں ملا پاکستان جانے کا سوچ رہا ہوں اگلے برس جاؤں گا بابا سے بھی ملنا ہے۔ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھا کہنے لگا تم

پاگل ہو گیا تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں کیا تم اپنے باپ کے مرنے پر بھی پاکستان نہیں گئے ۔۔؟ تم کیا کہہ رہے ہو بابا مر گئے؟ میری چیخ ہی نکل گئی مگر مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں ان کی وصیت تھی میرے بیٹے کو اطلاع مت دینا اُسے آنے میں تکلیف ہوگی اور پھر مجھے یوں لگا جیسے بازی پلٹ گئی ہے اور میں اپنا وجود بھی ہار گیا ہوں بابا کے الفاظ پگھلے ہوئے کی طرح میرے کانوں میں گونجنے لگے بیٹا مجھے تیری جدائی نے مار دیا ہے ورنہ میں اپنے مرنے تک جینا چاہتا تھا۔ بیٹا پچھتاوا بقیہ عمر ضائع کر دیا کرتا ہے اور پھر آدمی کو خشک سمندر کی لہروں کا شور عمر بھر سونے نہیں دیتا۔ سنو تم خواب ہو میرے۔ سنو تم خواب ہو میرے میں نے اپنی نشنیلٹی اور پاسپورٹ اور کچھ ضروری سامان اُٹھایا اور بیوی بچوں کو بتائے بغیر ایئر پورٹ پر پہنچا اور پہلی فلائٹ سے لاہور پہنچا۔ وہاں سے سیدھا اعوان ٹاؤن قبرستان پہنچا، میں نے بابا کی قبر کو بہت تلاش کیا مگر مجھے نہ ملی میں دوڑ کر گورکن علم دین کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا بابا کی قبر کہاں ہے۔۔؟

علم دین میرے ساتھ چلا آیا اس نے بھی بہت تلاش کیا مگر قبر نہ ملی علم دین نے مجھ سے پوچھا اچھا قبر کی پہچان کیا ہے۔؟ مجھے بابا کی بات یاد آگئی بیٹا پہچان کی ضرورت تو قبروں کو بھی ہوتی ہے تم ملک کی بات کرتے ہو میں نے علم دین سے کہا علم دین میں آج پہلی بار آیا ہوں مجھے نہیں معلوم میرے باپ کی قبر کیسی ہے۔ علم دین تلاش میں نکل گیا۔ میں نے وہی قبرستان میں ایک گڑھا کھودا اور اپنی غیر ملکی شہریت اور اپنا پاسپورٹ اس میں دفن کر دیا اور اس پر مٹی ڈال دی پھر میں نے غور سے دیکھا اس گھڑے کے ساتھ ہی میرے باپ کی قبر اُبھر آئی تھی۔ میں نے کتبہ دیکھا لکھا تھا۔ عطا بخش نظامی۔ تاریخ پیدائش 20 فروری انیس سو اٹھائیس تاریخ وفات۔ علم دین چکر لگا کر واپس آ گیا تھا میں نے کہا یہ قبر میرے باپ کی ہے مگر علم دین اس بار تاریخ وفات کیوں نہیں لکھی...؟ علم دین نے قبر کی طرف دیکھا اور پھر افسوس اور نفرت سے میری طرف دیکھا اور خاموش رہا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد بولا مجھے تاریخ تو یاد نہیں غالباً چار مہینے پہلے کی بات ہے جب میں نے یہ قبر بنائی تھی مگر اس پر کتبہ نہیں تھا پھر ایک رات جب رات کو چکر لگانے آیا تو انتہائی خوبصورت انسان جس کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا اس قبر پر کتبہ نصب کر رہا تھا وہ کوئی انسان نہ تھا شاید کوئی فرشتہ تھا۔ یہی سوال میں نے بھی اس سے کیا تھا اے اجنبی اس کتبے پر تاریخ وفات کیوں نہیں لکھی۔؟ وہ اجنبی بولا ایسے لوگ مرتے نہیں صرف انتقال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیاروں کے انتظار میں زندہ رہتے ہیں ابھی صاحب مزار کے بیٹے نے باہر سے آنا ہے جس دن وہ آئے گا اسی دن صاحب مزار کا انتقال ہوگا۔ تاریخ وفات اسی دن لکھی جائے گی اور پھر میں نے تاریخ وفات کے آگے لکھا 20 اکتوبر 1994 اور پھر میں ساری رات قبر کر بیٹھا روتا معافی مانگتا رہا مگر قبر سے صرف ایک ہی آواز آتی رہی بیٹا مجھے تیری جدائی نے مار دیا ہے ورنہ میں اپنے مرنے تک جینا چاہتا تھا۔ جدائی اور موت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ہجر کا دکھ دیکھنا ہو تو حضرت یعقوب کی آنکھوں کی طرف دیکھو جن کی روشنی اپنے فرزند حضرت یوسف کی یاد میں روتے روتے چھین گئی، ہجر ایک ایسی اذیت ناک موت ہے جس میں جان سے جاتے جاتے بھی عمر لگ جاتی ہے اور سنو تم خواب ہو میرے سنو تم خواب مت ہونا لاہور کی گلیوں میں جہاں کبھی میلی چادر اوڑھے ہے ساغر پھرتا تھا اب وہاں ایک ملنگ بے تحاشہ بڑے ہوئے بالوں اور میلی چادر لئے پھرتا نظر آتا ہے رات ہوتی ہے تو ساگر کی طرح کسی بھی فٹ پاتھ پر لیٹ جاتا ہے مگر آج تک اسے کسی نے سوئے ہوئے نہیں دیکھا۔ صبح ہوتے ہی بازار میں چلنا شروع کر دیتا ہے جہاں کہیں بوڑھا نظر آتا ہے اس کو روک روک کر سلام کرتا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر چومتا ہے اور کہتا ہے اپنے مرنے تک ضرور زندہ رہنا اور اپنے بیٹے کو باہر مت جانے دینا اس کا پاسپورٹ پھاڑ دینا اور صرف تکتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے اور پھر کربناک لہجے میں گانے لگتا ہے سنو تم خواب ہو میرے سنو تم خواب مت ہونا۔

(کتاب گونگے کا خواب افسانہ 'سنو تم خواب مت ہونا' سے اقتباس عرض گزاشت)

تین روپے کی مزدوری! اور ایکٹر محمد علی

ایک بار نامور اداکار محمد علی نے کسی مصیبت زدہ شخص کو 50 ہزار روپے قرض دینے سے پہلے اس سے تین روپے مانگے تھے... آخر یہ کیا کہانی تھی؟ جان کر آپ کو ایک نہیں کئی سبق حاصل ہونگے۔ کوٹھی کے خوبصورت لان میں سردی کی ایک دوپہر میں اور علی بھائی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ چپراسی نے علی بھائی سے آکر کہا کہ باہر کوئی آدمی آپ سے ملنے آیا ہے۔ یہ اس کا چوتھا چکر ہے۔ علی بھائی نے اُسے بلوا لیا۔ کاروباری سا آدمی ہے۔ لباس صاف ستھرا مگر چہرے پر پریشانی سے جھلک رہی تھی۔ شیو بڑھی ہوئی، سرخ آنکھیں اور بال قدرے سفید لیکن پریشان۔ وہ سلام کرکے کرسی پر بیٹھ گیا تو علی بھائی نے کہا۔ جی فرمائیے!'' فرمانے کے قابل کہاں ہوں صاحب جی! کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' اس آدمی نے بڑی گھمبیر آواز میں کہا

اور میری طرف دیکھا جیسے وہ علی بھائی سے کچھ تنہائی میں کہنا چاہتا تھا۔علی بھائی نے اس سے کہا: ''آپ ان کی فکر نہ کیجئے جو کہنا ہے کہیئے'' اس آدمی نے کہا ''چوبرجی میں میری برف فیکٹری ہے علی صاحب!'' ''جی''

''لیکن کاروباری حماقتوں کے سبب وہ اب میرے ہاتھ سے جا رہی ہے''

''کیوں' کیسے جا رہی ہے؟'' علی بھائی نے تفصیل جاننے کے لئے پوچھا۔''ایک آدمی سے میں نے 70 ہزار روپے قرض لئے تھے لیکن میں لوٹا نہیں سکا۔'' وہ آدمی بولا ''میں نے کچھ پیسے سنبھال کر رکھے تھے لیکن چور لے گئے۔اب وہ آدمی اس فیکٹری کی قرقی لے کر آ رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آدمی رونے لگا اور علی بھائی اسے غور سے دیکھتے رہے اور اس سے کہنے لگے۔آپ کا برف خانہ میانی صاحب والی سڑک سے ملحقہ تو نہیں؟'' جی جی وہی' وہ آدمی بولا...''علی بھائی میں صاحب اولاد ہوں اگر یہ فیکٹری چلی گئی تو میرا گھر برباد ہو جائے گا' میں مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔'' ''فرمایئے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''میرے پاس بیس ہزار ہیں' پچاس ہزار آپ مجھے اُدھار دے دیں میں آپ کو قسطوں میں لوٹا دوں گا۔'' علی بھائی نے مسکرا کر اس آدمی کو دیکھا۔سگریٹ سلگائی اور مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''روبی بھائی! یہ آسمان بھی بڑا ڈرامہ باز ہے۔کیسے کیسے ڈرامے دکھاتا ہے۔شطرنج کی چالیں چلتا ہے۔کبھی مات کبھی جیت۔'' یہ بات کہی اور اُٹھ کر اندر چلے گئے۔واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں نوٹوں کا ایک بنڈل تھا۔کرسی پر بیٹھ گئے اور اس آدمی سے کہنے لگے: ''پہلے تو آپ کی داڑھی ہوتی تھی۔'' وہ آدمی حیران رہ گیا اور چونک کر کہنے لگا ''جی! یہ بہت پرانی بات ہے'' ''جی میں پرانی بات ہی کر رہا ہوں' علی بھائی اچانک کہیں کھو گئے۔سگریٹ کا دُھواں چھوڑ کر کچھ تلاش کرتے رہے۔پھر اس آدمی سے کہنے لگے: ''آپ کے پاس تین روپے ٹوٹے ہوئے ہیں؟'' ''جی جی' ہیں' اس آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نوٹ نکالے اور ان میں سے تین روپے نکال کر علی بھائی کی طرف بڑھا دیئے۔علی بھائی نے وہ پکڑ لئے اور نوٹوں کا بنڈل اُٹھا کر اس آدمی کی طرف بڑھایا۔'' یہ پچاس ہزار روپے ہیں' لے جایئے!'' اس آدمی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور نوٹ پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔اس آدمی نے جذبات کی گرفت سے نکل کر پوچھا: ''علی بھائی مگر یہ تین روپے آپ نے کیوں لئے...؟'' علی بھائی نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ میں نے آپ سے اپنے تین دن کی مزدوری لی ہے۔''

''مزدوری...... مجھ سے! میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔'' اس آدمی نے یہ بات پوچھی تو ایک حیرت اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔'' 1952ء میں جب میں لاہور آیا تھا تو میں نے آپ کے برف خانے میں برف کی سلیں اُٹھا کر قبرستان لے جانے کی مزدوری کی تھی۔'' علی بھائی نے مسکرا کر جواب دیا۔یہ جواب میرے اور اس آدمی کے لئے دنیا کا سب سے بڑا انکشاف تھا۔علی بھائی نے مزید بات آگے بڑھائی۔''مگر آپ نے جب مجھے کام سے نکالا تو میرے تین دن کی مزدوری رکھ لی تھی۔وہ آج میں نے وصول کر لی ہے۔'' علی بھائی نے مسکرا کر وہ تین روپے جیب میں ڈال لئے۔''آپ یہ پچاس ہزار لے جائیں' جب آپ سہولت محسوس کریں دے دیجئے گا۔'' علی بھائی یہ بات کہہ کر مزے سے سگریٹ پینے لگے۔میں اور وہ آدمی کرسیوں پر یوں بیٹھے تھے جیسے ہم زندہ آدمی نہ ہوں بلکہ فرعون کے عہد کی دو حنوط شدہ ممیاں کرسی پر رکھی ہوں۔

(احمد عقیل روبی کی کتاب ''کھرے کھوٹے'' سے اقتباس بشکریہ نعیم گلزار اور اسمعیل سرسانہ)

شوکت خانم کی قبر

مستنصر حسین تارڑ

محمد علی کو ان کی رہائش گاہ سے متصل جے بلاک کے قبرستان میں دفنایا جانا تھا جہاں وحید مراد اور علاؤالدین کی قبریں ہیں۔میرے والدین اور ایک بھائی بھی وہیں خاک نشین ہیں۔کہا جاتا ہے کہ محمد علی کی قبر کھودی جا چکی تھی اور پھر انہیں میاں میر صاحب کے احاطے میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔میں نے اس عظیم اداکار اور مخیر انسان کے سرہانے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی اور پھر طاہرہ نقوی کو تلاش کیا۔کسی نے خبر کی کہ احاطے سے باہر بھی قبور کا ایک وسیع سلسلہ ہے چنانچہ باہر آ کر اس قدیم قبرستان کی خاک چھانی۔بہت سارے مقبرے اور گنبد مسمار کر دیئے گئے تھے کہ سپریم کورٹ نے قبرستانوں میں بھی ناجائز تجاوزات گرانے کا حکم دیا تھا۔گورکنوں سے دریافت کرتا رہا کہ یہاں کسی مشہور خاتون کی قبر کا کسی کو علم ہے۔طاہرہ نقوی تو نہ ملی البتہ محترمہ شوکت خانم کی سادہ قبر تک رسائی حاصل ہو گئی۔کہا جاتا ہے کہ نیازی خاندان کی چند قبروں کے گرد دو تین اینٹوں کی ایک حد بندی تھی۔دیوار نہ تھی صرف نشاندہی تھی۔جب تجاوزات کے خلاف مہم شروع ہوئی تو عمران خان کو اطلاع کی گئی جس پر انہوں نے کہا کہ کوئی تخصیص نہ کی جائے۔اگر بقیہ حد بندیاں مسمار کی جا رہی ہیں تو میری والدہ کے لئے یہ رعائت نہ کی جائے۔چنانچہ وہ نشاندہی بھی گرا دی گئی۔شوکت خانم کی قبر بہت سادہ اور ویران سی تھی۔میں نے اس خاتون کے لئے خصوصی دعا کی جس کے بیٹے نے اس کی یاد میں کینسر ہسپتال تعمیر کیا اور آج بے شمار لوگ شفایاب ہو کر اس کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہوتے ہیں۔شوکت خانم کو کسی شاندار مقبرے کی حاجت نہ تھی کہ کینسر ہسپتال ایک ایسی یادگار ہے جو شاہی مقابر سے زیادہ شاندار ہے اور لوگوں کے دکھ کا مداوا کرتی ہے۔

ایک تیتر بیچنے والا بازار میں تیتر بیچ رہا تھا

رجل خوشاب

اس کے پاس ایک پنجرہ میں ایک تیتر اور دوسرے پنجرے میں بہت سارے تیتر تھے۔کسی نے اس سے تیتر کی قیمت پوچھی اس بیوپاری نے بتلایا یہ جو دونمبر کا پنجرہ ہے جس میں زیادہ تیتر ہیں۔اس پنجرے کے تیتر کی قیمت 40 روپیہ فی تیتر ہے۔اس نے پنجرہ نمبر ایک کی طرف اشارہ کرکے پوچھا وہ جو تنہا تیتر ہے اس کی کیا قیمت ہے؟اس نے کہا وہ تو میں بیچنا ہی نہیں چاہتا اگر آپ لینے کے خواہش مند ہیں تو اس کے آپ کو پانچ سو روپے دینا ہوں گے۔وجہ پوچھنے پر اس بیوپاری نے بتلایا اصل میں یہ تیتر میرا اپنا پالتو ہے۔دوسرے تیتروں کو جال میں پھانسنے کا کام کرتا ہے۔یہ چیخ وپکار کرکے اپنے دیگر ساتھیوں کو بلاتا ہے اور وہ اس کی پکار پر بغیر سوچے سمجھے جمع ہوجاتے ہیں۔اور جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اس کے بعد میں اس پھنسانے والے تیتر کو اس کی من پسند خوراک دیکر خوش کردیتا ہوں۔بس اسی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ایک سمجھدار آدمی اس مجمع میں تھا اور اس نے پانچ سو روپے میں اس دھوکہ باز تیتر کو خرید کر ذبح کردیا۔کسی نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟اس نے کہا ایسے ضمیر فروش کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے جو اپنی مفاد کی خاطر قوم وملت کو دھوکا دیکر پھانسنے کا کام کرتا ہو۔نتیجہ۔دوائی ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق استعمال کیجئے۔

بند آنکھ

ایک مرید اپنے پیر صاحب کی ٹانگیں دبانے کے ساتھ ساتھ اپنا مسئلہ بھی بیان کررہا تھا...اُسی دوران پیر صاحب کی آنکھ لگ گئی،لیکن مرید بدستور پیر صاحب کی ٹانگیں دباتا رہا اور اپنی پریشانی بھی پیر صاحب کے گوش گزار کرتا رہا،اتنے میں پیر صاحب کی آنکھ کھل گئی اور وہ بولے ہاں تو کیا بتا رہا تھا؟ میں سن نہیں سکا آنکھ جو لگ گئی تھی،اب دوبارہ بتا اپنا مسئلہ...؟یہ سنتے ھی مرید کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ ایک دم کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا...پیر صاحب کیا آپ نے واقعی نہیں سنا....؟ہاں میری آنکھ لگ گئی تھی،آنکھ کھل گئی ہے اب بول....؟مرید بولا...پیر صاحب آنکھ آپ کی نہیں میری کھل گئی ہے...جب آپ سوئے ہوئے نہیں سن سکتے تو مرنے کے بعد کیسے سنیں گے...اور پیر نے شور مچا دیا...!!!! پکڑو اس گستاخ کو وہابی ہوگیا ہے! جو لڑکیاں بچپن میں خالہ کی جان ہوتی ہیں...وہ بڑی ہوکے خالہ کے بیٹے کی جان بنتی ہیں کچھ لڑکیاں گھر سے۔اتنا۔بڑا پرس لے کر نکلتی ہیں جیسے کسی کی مرغی اُٹھانے جارہی ہوں کچھ کنجوس لڑکیاں صرف نیچے والے ہونٹ پر لپ سٹک لگاتی ہیں اور دو تین دفعہ پپ پپ کر کے اوپر والے پر بھی ٹرانسفر کر لیتی ہیں میں نے سنا ہے کہ لڑکیاں گھر کا ٹین ڈبہ اور سوکھی روٹیاں بیچ کر نیٹ پیکج لگاتی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟لڑکیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں بنانے پلاؤ لگتی ہیں اور اگر چاول زیادہ گل جائیں تو اس میں مزید پانی اور دال ڈال کر بولتی ہیں آج تو میں نے کھچڑی بڑے مزے کی بنائی ہے کچھ لڑکیاں اس قدر دکھی شاعری کرتی ہیں جیسے کوئی شہزادہ بے وفائی کر گیا ہو تحقیق کرنے سے پتہ چلتا ہے وہ محلے کا فضلو موچی تھا خوبصورت ڈی پی والی لڑکیاں جب انتہائی دکھی شاعری کرتی ہیں تو دل چاہتا ہے اپنے کام چھوڑ کر اس کا محبوب ڈھونڈنے چلا جاؤں لڑکیاں تو صرف دل دیتی ہیں...لڑکے بچارے دل کے ساتھ بل بھی دیتے ہیں بابا جی کہتے ہیں کہ اچھا کچھ لڑکیاں اتنی دبلی پتلی ہوتی ہیں کہ شناختی کارڈ پر یوں لکھنا پڑ جاتا ہے گردن کے اوپر منہ کا نشان...پھُوکنی کے منہ والی لڑکیاں بھی لڑکوں پر لطیفے بناتی ہیں ٹھیک بولا نہ لڑکووووسڑ وگُڑیوسڑ ولڑکیاں بھوکی رہ سکتی ہیں،پیاسی رہ سکتی ہیں،پر چپ نہیں رہ سکتی۔

لڑکیاں

ٹشو پیپر سے دو تین بار ناک،صاف کر کے دوبارہ پرس میں ڈالنے والی لڑکیاں بھی بوائے فرینڈ ڈھونڈ رہی ہیں،لڑکیاں کبھی بھی اپنی غلطی نہیں مانتیں،باقی 1 فیصد اگر مان بھی جائیں تو آدھے گھنٹے بعد کہتی ہیں ویسے غلطی تمھاری ہی تھی،پاکستان میں دو قسم کی لڑکیاں بہت کم پائی جاتی ہیں ا۔چھوٹے ناخون والی۔سفید پاؤں والی نوٹ غصہ کرنے والی لڑکیاں اپنے پاوں کی طرف دیکھ سکتی ہیں آجکل تو ڈونگے جیسے منہ والی لڑکیاں بھی فیسبک پر نخرے دکھارھی ھیں ساتھ والے گروپ میں اتنے cute لڑکیاں ہیں۔ہمارے تے نصیب ہی خراب ہیں۔اب یہ افواہ کون پھیلا رہا ہے کہ کالے کپڑوں میں لڑکیاں صدقے کی بکریاں لگتی ہیں۔

عمران خان کے جنرل اسمبلی کے طویل خطاب سے چند اقتباسات

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم اِیَّاكَ نَعبُدُ وَاِیَّاكَ نَستعین

شروعات موحولیات سے ....اس کے بعد منی لانڈرنگ۔ اسلاموفوبیا... ڈیڑھ ارب مسلمان دنیا میں موجود ہیں.... نائن الیون کے بعد اسلاموفوبیا ایک خطرناک رجحان بن کر سامنے آیا ہے.... مسلمان تمام ترقی یافتہ مما لک میں رہتے ہیں... اوران کیلئے خطرات پیدا ہو چکے ہی..... مسلمان عورتوں کیلئے حجاب لینا مشکل بنا دیا گیا... مغرب میں ایک عورت کو کپڑے اتارنے کی تو اجازت ہے.... لیکن حجاب کی نہیں.... اسلام کو دہشتگردی سے جوڑا جا رہا ہے اور یہ غلط ہے..... اسلام صرف ایک ہے جو کہ حضرت محمد ﷺ لے کر آئے... انتہا پسند اسلام یا ماڈریٹ اسلام کا کوئی تصور نہیں... اسلام صرف ایک ہے جو ہمارے دلوں میں ہے.... دنیا کی تمام کمیونیٹیز میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں.... انتہا پسند سے لے کر ماڈریٹ تک... لیکن آپ اس وجہ سے عیسائیوں یا یہودیوں کو تو انتہا پسند نہیں کہتے.... تو پھر مسلمانوں کو انتہا پسند کیوں کہا جاتا ہے.... دنیا میں سب سے زیادہ خودکش دھماکے مسلمانوں کی بجائے تامل ٹائیگرز نے کئے جو کہ ہندو ہیں.... آپ ہندوؤں کو تو دہشتگرد نہیں کہتے لیکن مسلمانوں کو کہتے ہیں.... ہر دو تین سال بعد ہمارے نبی ﷺ کی توہین کی جاتی ہے.... اور جب ہمارا ردعمل آتا ہے... تو ہمیں انتہا پسند یا اسلام کو انتہا پسند کہنا شروع کر دیا جاتا ہے.... یہ رجحان مغرب سے شروع ہوا ہے.... مغرب میں جان بوجھ کر ہمارے نبی ﷺ کی توہین کی جاتی ہے.... تاکہ ہمارے ردعمل کو جواز بنا کر اسلام کو نشانہ بنایا جاسکے... جو ویلفیئر کا ماڈل آج اقوام متحدہ پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے..... اس سے کہیں بہتر ویلفیئر سٹیٹ ہمارے نبی ﷺ نے چودہ سو سال قبل مدینہ میں قائم کر دی تھی..... ہمارا چوتھا خلیفہ راشد، اپنی خلافت کے دور میں ایک مقدمہ یہودی سے ہار گئے... انصاف کی اس سے بڑی مثال آپ ڈھونڈ کر دکھا دیں.... اگر ہولوکاسٹ کا ذکر بھی کیا جائے تو یہودیوں کو تکلیف پہنچتی ہے..... ہم بھی صرف یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی توہین مت کی جائے کیونکہ اس سے ہمیں تکلیف پہنچتی ہے.... میری انڈیا میں فین فالوونگ ہے.... انڈیا میں مجھے پسند کیا جاتا ہے... میں چاہتا تھا کہ بھارت سے تعلقات بہتر ہوں...... باوجود اس کے کہ ہم نے بھارتی دہشتگرد کلبھوشن یادیو کو پکڑا جو ہمارے ملک میں دہشتگردی کرتا تھا... میں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا... بھارت نے ہماری سرحدوں پر اٹیک کر دیا... ہم نے ان کے دو طیارے مار گرائے... ان کا پائلٹ گرفتار کر لیا... پھر امن کی خاطر ہم نے پائلٹ واپس کر دیا... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آر ایس ایس کیا ہے؟ نریندر مودی اس کا لائف ٹائم ممبر ہے... آر ایس ایس ہٹلر کی پیروی میں قائم کی گئی جو کہ دوسرے مذاہب بالخصوص مسلمانوں کو اپنی سرزمین سے ختم کرنا چاہتی ہے... آر ایس ایس کا مقصد ہندو برتری قائم کرنا ہے اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو ختم کرنا ہے... یہ سب کچھ گوگل پر موجود ہے... آپ خود سرچ کر کے تصدیق کر سکتے ہیں..... بھارت کی کانگریس پارٹی کی حکومت میں ان کے ہوم منسٹر نے رپورٹ جاری کرتے ہوئے بتایا کہ آر ایس ایس کے کیمپوں میں دو ہزار مسلمانوں کو ذبح کیا گیا... مودی کی انہی حرکتوں کی بنیاد پر امریکہ میں اس کے داخلے پر پابندی لگا دی گئی تھی.... بھارت نے تیس سال میں ایک لاکھ کشمیریوں کو شہید کیا... 11 ہزار عورتوں کا ریپ کیا... اب کرفیو لگا کر کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا ہے... مودی کیا سمجھتا ہے... جب وہ کرفیو اٹھائے گا تو حالات نارمل رہیں گے؟

کشمیر میں خون کا غسل ہوگا... کشمیری بدلہ لیں گے... تمہارا جینا مشکل کر کے رکھ دیں گے.... انڈیا میں ایک اور پلوامہ ہونے جا رہا ہے... اور انڈیا ایک مرتبہ پھر ہم پر ہی الزام عائد کرے گا.... پھر اگر وہ جنگ شروع کرے گا تو ہم بھی جواب دیں گے... پھر وہی کچھ ہوگا جو اس سال فروری میں ہوا.... ہالی ووڈ کی فلم آئی تھی جس کا نام تھا ڈیتھ وِش..... اس فلم میں ہیرو کو کچھ لوگ لوٹتے ہیں اور اسکی بیوی قتل کر دیتے ہیں.... ہیرو کو انصاف نہیں ملتا تو وہ بندوق اٹھا کر سب کریمنلز کو مارنا شروع کر دیتا ہے.... سینما میں بیٹھے لوگ کھڑے ہو کر اسے داد دینا شروع کر دیتے ہیں.... اگر یہی کچھ کشمیری بھی کریں تو پھر انہیں دہشتگرد مت کہیں، انہیں بھی ہیرو ہی کہنا ہوگا... اگر پاکستان پر جنگ مسلط کی گئی.... اور پاکستان جو کہ انڈیا سے سات گنا چھوٹا ملک ہے... اگر ایسا ہوتا ہے تو میرا یقین ہے لا الہ الا اللہ... یعنی اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں.... تو پھر ہم نیوکلیئر آپشن استعمال کریں گے.... اقوام متحدہ کے پاس موقع ہے کچھ کرنے کا... نہ کیا تو پھر ہمیں کوئی کچھ نہ کہے.... تھینکس یو.... اور حال تالیوں سے گونج اٹھا۔

کون پہنائے گا خوشبو کو ہتھکڑی !

چوہدری نعیم
احمد باجوہ

بھلے ناممکنات میں سے ہی ہو پر دشمن ناداں نے خوشبو کو ہتھکڑی پہنانے کی کوشش ضرور کی۔ اپریل 1984 کی بہار میں خزاں کا موسم امڈ آیا اور ایک پر امن محب وطن جماعت پر بے تکی پابندیوں کے ذریعہ راتوں رات عرصہ حیات تنگ کرنے کے انتظامات کر لئے گئے۔ وہ دن اور وہ نظارہ آج بھی اسی طرح تازہ ہے اور آنکھوں کے سامنے ہے۔ میرا اور میرے چھوٹے بھائی کا آپس میں جمعہ کی پہلی اذان دینے کے لئے مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ اس دن بھی جمعہ تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے پہلے تیار ہو کر جلدی مسجد پہنچ کر پہلی اذان دینے میں سبقت لے جانے کی کوشش میں تھے۔ اسی اثنا میں والد محترم باہر سے تشریف لائے اور بتایا کہ ریڈیو پر اعلان ہو گیا ہے کہ احمدیوں کی اذان بند کر دی گئی ہے۔ یہ خبر ناقابل یقین تھی ہر چہرہ اداس اور غمگین تھا۔ احمدیوں کی تو جان ہی کلمہ حق بلند کرنے میں ہے پر ایک ظالم کلمہ حق بلند کرنے سے جبراً روکنے کی کوشش میں تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں یہ خبر سن کر میں بہت رویا تھا اور بہت دعا کی تھی۔ اسی دوران میں چند ہی دنوں کے اندر اندر الٰہی منشا کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان سے ہجرت فرمائی۔ جس انداز سے وہ ہجرت ہوئی اور خوشبو کو ہتھکڑی پہنانے کا شوقین ڈکٹیٹر اپنے تمام تر وسائل اور طاقتوں کے باوجود ناکام و نامراد رہا اور جس قدر تلملاتا رہا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ سمندروں جیسی گہرائی اور پہاڑوں جیسا بوجھ لئے غم ہجر خلافت کے پروانوں پر آن پڑا تھا۔ ہر رات تڑپتی اور ہر دن سوگوار تھا۔ صعوبت خانوں کی تاریکی تھی اور شبان احمدیت تھے۔ اہل جفا بھی سفاکی کی نئی تاریخ لکھ رہے تھے تو اہل صدق وصفا بھی عشق و مستی کی نئی داستانیں رقم کر رہے تھے۔ ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ''احمدی گھرانے آشیانے تھے جتنے قفس ہو گئے'' کے مصداق ہو گئے۔ دن گزرتے گئے اور قربانیوں کی بے مثل نئی روایات قائم ہوئیں۔ جبر و استبداد کے پہاڑ جسموں کو کچلتے رہے پر روح کی تازگی اور دیوانوں کی دیوانگی بڑھتی رہی۔ ہمیشہ سے ہم پر اپنی رحمتوں اور عنایات کی چھتری تانے ہمارے رحیم و کریم خدا کی تقدیر اور طرح سے ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ بہت جلد نتائج آنے لگے۔ اک مرد خدا کی تدابیر، دعاؤں شفقتوں اور محبتوں نے نہ صرف زخموں پر پھاہا رکھا بلکہ مجموعی طور پر جماعت کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔ نئی امنگیں، نئے جذبے، ترقیات کی بہاریں اور تائیدات الٰہیہ کے بے مثل نظارے ہجر کے غم دھونے لگے۔ پیغام حق دنیا کے کناروں کو چھونے لگا۔ لندن مرکز احمدیت بن کر مرجع خلائق ہونے لگا۔ نئے مراکز کی تعمیر نئے منصوبوں کی بنیادیں آنے والے وقت کے لئے عظیم الشان تیاریاں، واقفین اور رضا کاروں کی ایک فوج، ایک نئی امنگ کے ساتھ جلسہ سالانہ کا انعقاد اور دنیا کے کناروں سے آنے والے قافلہ در قافلہ عشاق کے ہجوم نے ایک سماں باندھ دیا۔ دشمن حیران اور سٹپٹاتا رہا لیکن خوشبو کو مٹھی میں بند نہ کر سکا۔ خدا کی خاطر گھر سے نکلنے والا ہوا کے دوش پر لاکھوں گھروں میں در آیا۔ کیوں ایسا نہ ہوتا؟ قافلہ جو خوشبو کا ٹھہرا اور خوشبو ایسے ہی پھیلا کرتی ہے۔

اس کی راہ میں در دیوار رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ کسی آمر کی آمریت اور فرعون کی فرعونیت اسے روک سکتی ہے نہ پابند کر سکتی ہے۔ ربوہ کے ہیڈ کوارٹرز سے دوری تھی لیکن مرکزی نقطہ تو خلافت تھی وہ قائم تھا اور قائم رہا۔ جب مرکز قائم اور اصل ثابت قدم رہے تو پھر اس کے گرد پروانوں کا ہجوم ایک فطری عمل ہوتا ہے۔ شمع خلافت کے عشاق جوق در جوق آتے رہے ضرورت بڑھتی رہی۔ **وسع مکانك** کا الہام اپنی چمکار دکھاتا رہا۔ وسعت ہوتی رہی۔ پھر ایک اور اپریل آ گیا۔ اپریل 2019ء ٹھیک 35 سال بعد ایک اور اپریل۔ تبدیلی ہیڈ کوارٹرز کا وقت پھر آن پہنچا۔ لیکن اب کی بار ایک اور شان سے۔ لندن مسجد سے ہجرت کا وقت لیکن ایک خوشی کے ساتھ۔ ایک نئے جہان رنگ و بو کو بسانے کی خاطر۔ ایک وسیع تر عظیم تر، پر سکون جنت ارضی کے قیام کی خاطر۔ مبارک باد کی صداؤں میں، اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں، پر جوش ولولوں، نئی امنگوں، لاکھوں دلوں کی دھڑکنوں اور کروڑوں آنکھوں کی آنسوؤں کی نمی کے ساتھ۔ خوشبو کا پیامبر ایک نئی منزل کی جانب رواں ہوا۔ 13 اپریل 2019 کے خطبہ جمعہ میں جب سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے نئے مرکز احمدیت میں شفٹ ہونے کی نوید سنائی اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کا تذکرہ فرمایا تو میں نے دور دراز افریقہ کے باشندوں کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو، لبوں پر دعائیں اور تشکر کے جذبات دیکھے۔ خوشبو کا قافلہ دعاؤں کے جلو میں جانب منزل روانہ ہوا۔

ایک طرف سے جاتے ہو میری جاں خدا حافظ و ناصر اور صرف 45 منٹ کے بعد دوسری منزل پر اھلا و سھلا و مرحبا کے نعرے اور والہانہ استقبال۔ یہ واقعہ بھی تاریخ میں پہلی دفعہ رقم ہوا کہ ایک مرکز سے دوسرے مرکز منتقلی میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت کا فرق تھا۔ اسلام آباد جنت ارضی کا مصداق ٹھرا۔ خوشبو کا قافلہ مثل ابر کرم ٹھر گیا ہے اور تمام عالم پر فیض کو ہر لمحہ عام کر رہا ہے۔ نئے مرکز احمدیت اسلام آباد میں داخل ہوں تو سکون اور اطمینان کی اک لہر آپ کے ہم رکاب ہو جاتی ہے۔ خوشبو کا ہالہ آپ کے ارد گرد لپٹ جاتا ہے۔ دعاؤں اور محبتوں کی باس دل و دماغ کو معطر کر جاتی ہے۔ محبان کے قافلے گھنٹوں کا سفر طے کر کے صرف سیدی مرشدی کی ایک جھلک دیکھنے اور امام وقت کی ہمر کابی میں سربسجود ہونے آتے ہیں۔ کچھ تو سارا سارا دن ادھر ہی ٹھر جاتے ہیں۔ کوئی اور کار زندگی انہیں درپیش نہیں۔ صرف ایک ہی تمنا کہ نماز سے پہلے پہنچ کر اگلی صف میں بیٹھ کر انتظار کرنا اور نماز کے بعد پھر اگلی نماز کا انتظار۔ ان پروانوں کو دیکھ کر انتظار الصلوٰۃ بعد الصلاۃ کا ایک نیا مفہوم سمجھ آتا ہے۔ لندن میں ایک دوست سے میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو اسلام آباد آنا جانا مشکل نہیں لگتا۔ کہنے لگے جب پیارے آقا وہاں نہیں تھے تو مشکل لگتا تھا۔ کئی کئی مہینے ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ اسپیشل پروگرام بنا کر جاتے تھے پورا پورا دن اس کام کے لئے ریزرو رکھتے تھے۔ لیکن اب ہفتے میں کئی کئی بار ہو آتے ہیں اور بالکل دور محسوس نہیں ہوتا۔ عاشقوں کی یہی ریت ہے کہ کشاں کشاں محبوب کے دیدار کے لئے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لئے فاصلے سمٹ جاتے اور دوریاں بے معنی ہوتی ہیں۔ یہی حال شمع خلافت کے پروانوں کا ہے۔ فاصلے بے معنی ہو گئے ہیں صرف ایک ہی تڑپ، ایک ہی دھن، ایک ہی لگن ہے کہ دل ناتواں کی صدا بارگاہ خلافت تک پہنچ جائے کہ:

اے شمع دیکھ ترے پروانے آگئے۔ نئے دفاتر، نئی قیام گاہیں، خوبصورت مسجد، سرسبز لان، رنگا رنگ تر و تازہ پھولوں کی بہار، محبتوں کی چمکار اور مسکراہٹوں کی پھوہار، عاشقوں کے ٹولے، شمع خلافت کے دیوانے، متفرق زبانیں بولتے، چہچہاتے رنگا رنگ پروانے، اللہ اکبر کی صدائیں، سربسجود نمازیوں کی آہیں، محبت کے قبیلے کا نیا مرکز، نیا مسکن۔ یہی ہے مرکز احمدیت اسلام آباد۔ پھر ان سب مادی چیزوں سے بالا تر وہ ہستی، وہ وجود، وہ چھاؤں چھاؤں اک شخص جو محور جان ہے۔ تر و تازہ روحانی و جسمانی بہاروں کے جلو میں بیٹھے اس وجود کو کس سے تشبیہ دوں کہ جو بھی مل کر نکلتا ہے۔ جو بھی جیسے بھی مسائل کی گٹھڑی وہاں جا کر کھولتا ہے۔ غم و الم کی داستانیں وہاں چھوڑ آتا اور دعاؤں، محبتوں اور شفقتوں سے جھولی بھر لاتا ہے۔ واپسی پر لبوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں خوشی و مسرت و تشکر کے آنسو، دل میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے جذبات لئے نکلتا ہے اور زبان حال سے یہی الاپ رہا ہوتا ہے۔

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گل تر سے۔ ہوتا ہے شگفتہ پر اتنا نہیں ہوتا مسیح محمدی کی پیاری جماعت کا ماضی روشن، حال شاندار اور مستقبل عظیم الشان ہے۔ سوچتا ہوں اپریل 1984 میں خوشبو کو ہتھکڑی پہنانے کی ناکام کوشش کرنے والا نادان اس قافلے کا سفر دیکھ پاتا تو شاید شرم سے زندہ ہی گڑھ جاتا۔ واقعی:

کون پہنائے گا خوشبو کو ہتھکڑی
کون روکے گا بھنورے گلستان میں
کون ڈالے گا سورج کو زندان میں

اور ہر آنے والے فرعون کو بھی پیغام ہے کہ محبت کے قبیلے کا یہ کارواں بنا ہی رواں دواں رہنے کے لئے ہے۔ یہ قافلہ بڑھتا رہے گا، چلتا رہے گا، پرواز بلند سے بلند تر ہوتی رہے گی۔ عدو حسد کی آگ میں جلتا رہے گا کہ:

آسمانی میں، عدو میرا زمینی اس لئے
میں فلک پر ہوں، اس کو ہے بل کی تلاش

****

اندرونی خبر...؟

****

فضل رحمان نے جب اکتوبر میں لاک ڈاؤن کو حتمی شکل دی تو چند بندے جنہیں کم آنکھیں دیکھا کرتی ہیں جنہوں نے ایک بنڈل فائلوں کا مولانا صاحب کے سامنے رکھا اور کہا ''حضرت یہ فائلیں تھوڑی دیر کیلئے پڑھیں تب تک ہم باہر چائے پانی سے فراغت پا کر آتے ہیں''۔ آدھے گھنٹے بعد جب دوبارہ کمرے میں گئے تو حضرت مولانا فضل رحمان صاحب پسینے سے شرابور، چہرے کا رنگ سیاہ کالا، چہرے کی ہوائیاں اُڑی ہوئی بار بار گلاس پر گلاس خشک گلے کو تر کرنے کیلئے انڈھیلتے رہے۔ وہ چند بندے حضرت کے سامنے چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک بندہ آگے بڑھا بیڈ پر بکھری فائلیں، قیمتی قالین پر جابجا مختلف ایگری منٹ، زمین جائیدادوں کا ریکارڈ، چندے مانگنے والی کاپیاں وغیرہ کو سمیٹ کر بنڈل کی شکل دینے لگا تو مولانا ہکلاتے ہوئے بولے، آگے بتاؤ میں نے کیا کرنا ہے؟

ایک بندہ بولا۔ پاکستان وہ ریاست ہے جسکی وجہ سے حرمین شریفین کی طرف یہودیوں کے ٹینک، راکٹ، جدید ترین اسلحہ ہونے کے باوجود سانس روکے ستر سال سے انتظار میں ہے کب پاکستان گرے اور ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجائیں اوراس ریاست کے پیچھے پاک آرمی کھڑی ہے جسکی وجہ سے پاکستان اورحرمین شریفین کی حرمت باقی ہے۔ اگرتم ختمِ نبوت کا چورن لیکر پاکستان پرخلافت کا بھوت سوار کرنے لگو گے تو پاکستان کا حشر لیبا، شام عراق فلسطین جیسا ہوجائے گا اور فائدہ اسی کو ہوگا جنھوں نے تمہیں پاکستان کے اندر ریاست کے خلاف جہاد کرنے کیلئے بھاری فنڈنگ کی ہوئی ہے نا تو تمہیں اقتدار ملے گا اور نا ہی نچلی وزارت اسلام آباد لاک ڈاؤن کا بہانہ بنا کر اسرائیلی آقاؤں کی مدد اور پوجا چھوڑ کر شریف پاکستان بنو نہیں تو وہ فالوں کی طرف دیکھنے لگا مولانا گھبرا کر بولے۔ میری عزت کی لاج رکھنا تمہیں میری داڑھی اور اسلامی حلیے کا واسطہ مجھے رُسوا کرنا دین اسلام کو رُسوا کرنے جیسا ہے میں وعدہ کرتا ہوں مگر ایک شرط پر میں اسلام آباد لاک ڈاؤن نہیں کرونگا بس جھوٹ موٹ کی تاریخ بڑھا کر موخر کردونگا اسکے بعد لندن یا برطانیہ چلا جاؤں گا مولانا نے ایک نظر فائلوں کی طرف دیکھا تو بندے نے کہا انکی فکر چھوڑو یہ کسی کے ہاتھ نہیں لگیں گی۔ تم بس دین کو بدنام ہونے سے بچاؤ اور علما کے بے توقیری سے انہیں دنیا کی نظروں میں مت گراؤ۔

مولانا نے یقین دہانی کروادی کہ اب میں اپنی عزت بچانے کیلئے ملین مارچ تاریخ بڑھا کر آخر میں برطانیہ چلا جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے وہ علاج کیلئے جائیں بہرحال وہیں سکونت اختیار کریں گے۔ رہی بات پیروکاروں کی تو وہ ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے مولانا کیلئے سمجھوتہ کرنا کونسا مشکل ہے۔ کسی دیو ہیکل جن کی جان طوطے میں ہونے کی طرح مولانا کی جان چند فائلوں میں قید ہے جو عنقریب مولانا کو پاکستان چھوڑنے پر مجبور کریں گی !!! اب ''تمہارا کیا ھوگا'' زیبرووووو۔

فرزانہ فرحت کی کتاب ''خواب خواب زندگی'' کی تقریبِ اجراء کے موقع پر

محترم شاہین بھٹی کا منظوم کلام

یہی قرطاس دوراں کے نشاں اکثر دکھاتے ہیں
صفِ شعرا سے اُٹھتے ہیں جو انساں کو جگاتے ہیں
متاع در کے وارث شبِ تاریک میں جل کر
جگر کی آگ سے خوابوں کی تصویریں بناتے ہیں
تخیل کی اڑانوں میں ورا افلاک سے جا کر
پلٹتے ہیں تو انساں کو نئی راہیں سجھاتے ہیں
نہیں ممکن ہے دنیا میں قیام جاوداں پھر بھی
حیات جاوداں آکر یہاں کچھ لوگ پاتے ہیں
کہیں عسرت، کہیں عشرت، کہیں ثروت، کہیں شہرت
جو ان سانپوں سے بچتے ہیں وہی منزل پہ جاتے ہیں
کہیں مصلوب ہو جائیں، کہیں محبوب ہو جائیں
حقیقت آشنا ہو کر یہ خود کو بھول جاتے ہیں
جنہیں فطرت نے بخشا ہے ہنر دل میں اترنے کا
اترتے ہیں وہ جس رن میں وہیں سکہ بٹھاتے ہیں
نہیں چھپتی ہے طوفاں میں صدائے بے بسی ان پر
یہ پل کر تند موجوں میں رگ طوفان دباتے ہیں
بقائے حسن عالم کی ضمانت ہے تو ہے ان سے
یہ گلچیں سے محبت کے گلابوں کو بچاتے ہیں
تجھے اے کہکشاں کیسے میں محرومِ ضیا لکھ دوں
یہاں فرزانہ فرحت سے ستارے جگمگاتے ہیں

ادبی ترغیبات ۱۔ میر انیس کو ''حزیں'' تخلص ترک کرنے اور ''انیس'' تخلص کرنے کی شیخ امام بخش ناسخ نے ترغیب دی۔ ۲۔ میر تقی میر کو ریختہ میں شعر موزوں کرنے کی سید سعادت علی خان نے ترغیب دی۔ ۳۔ مرزا غالب نے اردو مرثیہ مجتہد العصر مفتی میر عباس کے کہنے پر لکھنا شروع کیا۔ ۴۔ ولی دکنی نے اردو شاعری میں فارسی آمیزی سعد اللہ شاہ گلشن کے کہنے پر شروع کی۔ ۵۔ بیگم اختر ریاض نے مولانا صلاح الدین کے اصرار پر اردو میں طبع آزمائی کی۔ ۶۔ جوش ملیح آبادی کو نظم نگاری کی طرف وحید الدین سلیم نے موڑا۔ ۷۔ احمد ندیم قاسمی کو افسانہ لکھنے کی ترغیب محمد خالد اختر نے دی۔ ۸۔ شاہد احمد دہلوی کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے خاکہ نگاری کی طرف راغب کیا۔ ۹۔ ڈاکٹر انور سدید نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ڈاکٹر وزیر آغا کی ترغیب سے کیا۔ ۱۰۔ مستنصر حسین تارڑ کو مجید نظامی نے سفر نامہ لکھنے کی ترغیب دی۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

تلمیح

تلمیح ایک صنعت ہے۔شاعری میں اس کا استعمال کم سے کم لفظوں کے ذریعہ معنی کے ایک بڑے علاقے کو گرفت میں لینے کے لیے ہوتا ہے۔مرزا غالب/کلیات،مرزا غالب کا تمام متداولا ورغیر متداول کلام،علمِ عروض،اردو شاعری میں میٹرک پیٹرن کے اصولوں کا تعین کرنے کے لئے علم عروض کا استعمال کیا جاتا ہے،داستان امیر حمزہ،امیر حمزہ کے دلچسپ اور لاثانی کارنامے،ضیا محی الدین ،نامورفن کارجنھوں نے قرأت کےفن کوغیر معمولی بلندی اور درجہ کمال تک پہنچایا،منتخب شاعری،ٹی 20 شاعری،فیض احمد فیض کے 20 منتخب اشعار،ٹی 20 شاعری،زندگی پر 20 منتخب اشعار،ٹی 20 شاعری،کے 20 منتخب اشعار،ٹی 20 سیریز،میر تقی میر کے 20 منتخب اشعار،ٹی 20 شاعری،بارش پر 20 منتخب اشعار،نئ دلچسپیاں،پسندیدہ،اپنی پسندیدہ فہرست میں اضافہ کریں۔

''دوسرا وکرم پیدا نہیں ہوگا''۔

چتا سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔میں گھر چلا آیا مؤرخہ 27۔اگست نند کشور وکرم نے اس دنیا کو الوداع کہہ دیا جس دنیا کے بارے میں اب ان کا خیال تھا کہ یہ دنیا جینے کے لائق نہیں رہ گئی ہے۔26۔اگست دوپہر تین بجے ان کا فون آیا،ذوقی مجھ سے ملو۔میں نے 27 تاریخ تین بجے ملنے کا وعدہ کیا ساڑھے بارہ بجے وکرم صاحب کے بیٹے وقاص دت کا فون آیا،وکرم صاحب نہیں رہے۔میں نے جلدی جلدی کچھ دوستوں کو اطلاع دی۔جب وکرم صاحب کے گھر پہنچا تو وہاں فاروق ارگلی موجود تھے۔ہم نے آخری دیدار کیا۔ساڑھے چار بجے گیتا کالونی شمشان گھاٹ آ گئے۔یہاں زمرد مغل،ایم رحمن ایڈووکیٹ،ضیا حسن مدیر آجکل پہلے سے موجود تھے۔آخری رسم ان کے بیٹے نے ادا کی۔میں نے ایک فرشتے کا دیدار کیا جس کا چہرہ نورانی تھا اور ایسا محسوس ہورہا تھا،جیسے یہ چہرہ اب آواز دینے والا ہو،مرنے کے بعد ایسا شفاف نورانی چہرہ میں نے اپنی زندگی میں کم دیکھا ہے۔میں تین بجے ملاقات کرنے والا تھا اوراب میں سلگتی چتا کے کنارے کھڑا تھا۔مجھے ان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔میں اپان شرادھ اپنی زندگی میں کرنا چاہتا ہوں۔فن اور شخصیت پر آخری کتاب میں نے ترتیب دی تھی۔شرادھ کے دن وہ اس کتاب کا اجرا کرنے والے تھے۔اُردو کو لے کر بہت سے منصوبے تھے،جن کا ذکر برابر کرتے تھے۔آخری سانس تک اُردو کا یہ عاشق اردو کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔موت سے چار دن قبل ایک کتاب کے اجرا میں بھی ہم دونوں شریک تھے اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ چار دن بعد ہم اردو کے مجاہد،سفیر،عاشق اور محبوب کو الوداع کہہ رہے ہوں گے۔میں ابھی بھی ان شعلوں کی زد میں ہوں۔میں نے اپنی زندگی میں وکرم صاحب جیسا عظیم انسان نہیں دیکھا۔کوئی دوسرا نند کشور وکرم نہیں آئے گا۔ایک ایسا شخص جو کسی کونسل،کسی اکادمی کے بھروسے نہیں رہا۔جس کے ادبی کارنامے کسی کونسل اور اکادمی کے کارناموں سے کہیں بڑے ہیں۔آج اردو زبان وادب کی کتاب کا ایک روشن باب بند ہوتا ہے۔دنیا سے رُخصت ہوتے ہی خزاں اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیتی ہے۔

وکرم صاحب!ہم آپ کو نہیں بھولیں گے 34 برس پرانا یارانہ تھا،کیسے بھول سکتا ہوں۔آپ بار بار یاد آئیں گے۔جب جب اردو کا تذکرہ ہوگا،آپ کا نام ہونٹوں پر آئے گا۔آپ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے

مشرّف عالم ذوقی۔

100 لفظوں کی کہانی

اور پھر...(مارٹین لیموئر کی نظم سے ماخوذ)امن وامان

پہلے وہ احمدیوں کو مارنے آئے اور میں چپ رہا کیونکہ میں احمدی نہیں تھا۔

پھر وہ مسیحوں کو مارنے آئے،میں پھر چپ رہا کیونکہ میں مسیحی نہیں تھا۔

پھر وہ ہندوؤں کو مارنے آئے،میں ایک بار پھر چپ رہا کیونکہ میں ہندو نہیں تھا۔

پھر وہ شیعوں کو مارنے آئے،میں اس بار بھی چپ رہا کیونکہ میں شیعہ نہیں تھا۔

پھر وہ عالموں کو مارنے آئے اور میں ہر بار کی طرح چپ رہا کیونکہ میں عالم نہیں تھا۔

اور پھر وہ مجھے مارنے آئے لیکن اس بار میرے لئے آواز اُٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔

ش ج ورک

ایک شخص بیوی کے پاس پریشانی کی حالت میں آیا۔

بیوی نے پوچھا:آپ کو کیا ہوا ہے؟

شوہر بولا:بادشاہ نے ہر اس شخص کے قتل کا حکم دیا ہے جو دوسری شادی نہ کرے۔

محترمہ مسکرا کر بولی:کتنی بڑی سعادت ہے کہ خدا نے آپ کو شہادت کے لئے چن لیا ہے۔

بڑی کنفیوژن ہوئی تھی

جب... بائیلوجی کے ٹیچر نے پڑھایا سیل کا مطلب جسم کے سیل

فزکس کے ٹیچر نے پڑھایا سیل مطلب بیٹری

اِکنامکس کے ٹیچر نے پڑھایا سیل مطلب فروخت

ہسٹری کے ٹیچر نے پڑھایا سیل مطلب جیل

انگریزی کے ٹیچر نے پڑھایا سیل مطلب موبائل

تعلیم ہی چھوڑ دی بھائی صاحب یہ سوچ کر جِس اسکول میں 5 اُستاد مُتفق نہیں اِس اسکول میں پڑھ کر کیا ہوگا۔

اور سچا علم تو تب ملا جب بیوی نے بتایا سیل۔ مطلب ڈسکاؤنٹ۔

ائیرلائن

ایک ائیرلائن نے بزنس کلاس کے لئے خصوصی آفر شروع کی ''بزنس کلاس کا ٹکٹ خریدیں اور اپنی وائف کا ٹکٹ فری حاصل کریں''

آفر بہت کامیاب گئی۔ ائیرلائن نے خوب بزنس کیا۔ آفر ختم ہوجانے کے بعد ائیرلائن نے فیڈبیک لینے کے لئے اپنے کسٹمرز بزنس مین کی بیویوں کو خطوط لکھ کر جاننا چاہا کہ ان کا ٹرپ کیسا رہا؟ سب خواتین کی طرف سے ایک جیسا جواب موصول ہوا۔ ''کونسا ٹرپ؟؟؟''

''اَدھورا گلاس''

مشہور ادیب ''ہنیری ملر'' نے ایک مرتبہ پیرس میں کسی دکان پر سیب کا رس پیا گلاس لوٹاتے ہوئے اس نے دکاندار سے پوچھا۔ ''تم دن بھر کتنے سیبوں کا رس بیچ لیتے ہو؟'' ''تقریباً ایک من سیبوں کا۔'' دکاندار نے بتایا ''میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں جس پر عمل کر کے تم تقریباً دو من سیبوں کا رس بیچ سکتے ہو۔ ''ہنیری نے کہا۔'' کیسے؟۔'' دکاندار بے قرار ہوگا۔'' گلاس پورا بھر دیا کرو''

''سیاسی کارکن''

ایک پختہ سیاسی کارکن کے لئے مطالعہ اشد ضروری ہے۔ مطالعہ کے بغیر قوت فیصلہ پیدا نہیں کی جاسکتی۔ مطالعہ کے بغیر سیاست نفع کی بجائے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں استعمار کے مسلط کردہ پارٹیوں کے لیڈر بنیادی سیاسی مطالعے سے بھی محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کے لیڈر عوام کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کے طلسم میں بند نظر آتے ہیں۔

نیلسن منڈیلا

''محبت مر نہیں سکتی''

ڈاکٹر نذیر تبسم اپنی کتاب میں اپنی شریک حیات جواب اس جہاں فانی میں نہیں رہیں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''ایک بار ایسا ہوا کہ ہم دونوں میں چھوٹی سی بات پر بڑی لڑائی ہوگئی، گھر کی بیسمنٹ میں، میں بیڈ پر سوتا اور وہ نیچے زمین پر، گرمیوں کی رات تھی، ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سو گئے۔ آدھی رات کو مجھے پیاس لگی، واٹر کولر پاس ہی میز پر پڑا تھا میں نے خود اُٹھ کر گلاس بھر پانی پیا، اچانک مڑ کے دیکھا تو وہ اٹھ بیٹھی ہوئی تھی اور عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی، غصے سے بولی... آپ نے پانی خود کیوں پیا؟ میں نے بھی غصے اور اکڑپن سے کہا، ہاتھ پاؤں سلامت ہیں، مفلوج نہیں ہوں، خود اُٹھ کر پانی پی سکتا ہوں، قریب آ کر میرا گریبان پکڑ لیا: بولی... ایک بات غور سے سنو! لڑائی جھگڑا اپنی جگہ پر لیکن تمہیں میں اپنا حق اور خوشی نہیں چھیننے دوں گی، پتہ ہے آپ کو پانی دیتے ہوئے مجھے کتنی خوشی ہوتی ہے، بھلے سے بات چیت بند کیوں نہ ہو، پانی آپ خود نہیں پیئیں گے، اس کی آنکھیں نم ناک تھیں میں نے اسے گلے سے لگا لیا اور لڑائی ختم ہوگئی، اور اب روزانہ رات کو تین چار بار اُٹھ کر جب میں خود پانی پیتا ہوں تو سامنے دیوار پر لگی اس کی قد آدم تصویر میں بھی اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں یا پھر شاید میں اس کی تصویر ہی بھیگی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تب مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے اسے کہا تھا: ''محبت مر نہیں سکتی''

شیطان

ایک بار جوش ملیح آبادی الہٰ آباد یونیورسٹی گئے۔ اس تقریب میں جوش کے علاوہ فراق بھی موجود تھے۔ جوش نے اپنی طویل نظم ''حرفِ آخر'' کا ایک اقتباس پڑھا۔ اس میں تخلیق کائنات کی ابتداء میں شیطان کی زبانی کچھ شعر ہیں۔ جوش شیطان کے اقوال پر مشتمل کچھ اشعار سنانے والے تھے کہ فراق نے سامعین سے کہا: ''سنئے شیطان کیا بولتا ہے؟'' اور پھر جوش کو بولنے کا اشارہ کیا۔

گُردے اور مثانے کی پتھری کے لیے چند تدابیر

1۔ نمازِ فجر سے پہلے آدھا چمچ کلونجی اور دو چمچ شہد گرم پانی میں روزانہ نہار منہ دو گلاس باقی پورے دن میں، چائے مشروبات اس کے علاوہ ہیں۔

2۔ کلونجی، شہد، خربوزہ اور کھیرے کا استعمال زیادہ کریں۔

3۔ روزانہ کم از کم دس گلاس پانی پیئیں جس میں صبح نہار منہ دو گلاس باقی پورے دن میں، چائے مشروبات اس کے علاوہ ہیں۔

پاکستان کے مسلمان ڈاکٹر

عاصی صحرائی

اشتہار بڑا دلچسپ تھا۔ میں رکشے کے قریب ہو کر غور سے پڑھنے لگا۔ لکھا تھا ''چھوٹے قد' کینسر' ہیپاٹائٹس' گرتے بالوں' بے اولادی' موٹاپے' جوڑوں کے درد' کالی کھانسی' گردن توڑ بخار' جسمانی کمزوری' پٹھوں کے کھنچاؤ' دل کے امراض اور کسی بھی بیماری میں مبتلا افراد پریشان نہ ہوں' ہر مرض کا شافی علاج موجود ہے۔فراز دواخانہ میں نے کچھ دیر غور کیا' مجھے لگا جیسے ساری بیماریاں مجھ میں موجود ہیں' اگلے ہی دن میں حکیم صاحب کے دواخانے میں موجود تھا۔ میرا خیال تھا کہ حکیم صاحب بیہودہ سے لباس میں ملبوس کوئی روایتی سے حکیم ہوں گے لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب واقعی میرا خیال دُرست ثابت ہوا۔ انتظار گاہ میں مریضوں کا رش لگا ہوا تھا' ایک طرف ایک بڑا سا اشتہار لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''بڑا آپریشن کرانے پر چھوٹا آپریشن فری''۔ حکمت میں آپریشن بھی ہوتا ہے یہ مجھ پر پہلی بار منکشف ہوا۔ دوسری لائن میں ایک عجیب وغریب انعام کی ترغیب دی گئی تھی' لکھا تھا ''چار دفعہ ریگولر حکیم صاحب سے علاج کرانے پر انعامی کوپن حاصل کریں جس پر آپ کی 70 سی سی موٹر سائیکل بھی نکل سکتی ہے'' ساتھ ہی کچھ خوش نصیبوں کی تصویریں بھی دی ہوئی تھیں جن کی موٹر سائیکل نکل چکی تھی۔ دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد میری باری آ گئی' حکیم صاحب پر نظر پڑتے ہی میں اور حکیم صاحب دونوں اچھل پڑے۔ میں نے اپنی آنکھیں ملیں' بازو پر چٹکی کاٹی' زور زور سے سر کو جھٹکے دیئے' لیکن حقیقت نہیں بدلی۔ میرے سامنے میرا دوست فراز بھٹی بیٹھا ہوا تھا جسے ہم پیار سے فراڈ بھٹی بھی کہتے تھے۔ اس سے پہلے کہ میرے منہ سے کچھ نکلتا' اس نے ایک چھلانگ لگائی' جلدی سے دروازہ بند کیا اور میرے قریب آ کر گھگھیایا ''خدا کے لئے کسی کو پتا نہ چلے''۔ میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا ''اوکے! نہیں بتاتا لیکن یہ سب کیا ہے' تم کب سے حکیم ہو گئے؟''۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ''تمہیں تو پتا ہے چھ سال سے مجھے معدے کی پرابلم تھی' اتنے حکیموں کے چکر لگائے، معدہ تو ٹھیک نہیں ہوا البتہ مجھے حکمت آ گئی' اب دو سال سے یہ دواخانہ کھولے بیٹھا ہوں''۔ میں نے گھورا ''تو کیا اب تمہارا معدہ ٹھیک ہو گیا ہے؟'' اس نے قہقہہ لگایا ''ہاں! اصل میں معدہ اس لئے خراب تھا کیونکہ اچھی خوراک نہیں مل رہی تھی' یقین کرو جب سے دواخانہ کھولا ہے' روز بیس ہزار کی دیہاڑی لگا کر اُٹھتا ہوں' معدہ بھی ٹھیک ہو گیا ہے اور معاشی حالات بھی۔'' میں نے حیرت سے پوچھا ''اگر تمہیں حکمت نہیں آتی تو لوگوں کو ٹھیک کیسے کر لیتے ہو؟''۔ اس نے ایک اور قہقہہ لگایا ''ارے لوگ بڑے وہمی ہوتے ہیں' اول تو پانچ ہزار کی دوائی خریدتے ہی اس خوف سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ اگر ٹھیک نہ ہوئے تو مزید دوائی خریدنا پڑے گی، اور بالفرض ٹھیک نہ بھی ہوں تو میرے پاس اپنی دوائی کی بجائے مریض کو غلط ثابت کرنے کے ایک سو ایک طریقے ہیں' مریض لاکھ کوشش کرلے لیکن اس سے دوائی کھانے میں کوئی چھوٹی موٹی کوتاہی ہو ہی جاتی ہے' یہی کوتاہی میرے کام آتی ہے اور مریض کو یقین ہو جاتا ہے کہ حکیم صاحب کا کوئی قصور نہیں' غلطی خود اس کی ہے!!!'' فراڈ بھٹی آج ایک کامیاب حکیم ہے' اس کی کامیابی کی وجہ مریضوں کی صحت یابی نہیں بلکہ کیبل پر گھٹیا ترین اشتہارات کی بھرمار ہے' اس کے دواخانے کے اشتہارات میں ہر مشہور بندہ اس کی تعریفیں کرتا نظر آتا ہے' فراڈ بھٹی کی خواہش ہے کہ پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام میں سے اُس کا ٹارگٹ صرف ایک کروڑ عوام کو اپنے دواخانے تک لانا ہے تاکہ اس کے بعد وہ امریکہ شفٹ ہو جائے اور وہاں کسی اچھے سے ڈاکٹر سے اپنے جوڑوں کے درد کا علاج کرائے۔

افسانچے۔ وسعت نظر۔ دیپک بُدکی

محاذ پر جنگ جاری تھی۔ کپتان سرجیت سنگھ نے وائرلیس پر اپنے کمانڈنگ افسر کرنل سکھدیو سنگھ کو اطلاع دی۔ ''سر، میں سامنے والی پہاڑی پر دشمن کا ایک مورچہ دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں دشمن کے صرف پانچ سپاہی ہیں میں رات کے اندھیرے میں اپنی پلٹن کے ساتھ بڑی آسانی سے اس پہاڑی پر چڑھائی کر سکتا ہوں اور دشمن کا مورچا مار سکتا ہوں۔'' کرنل صاحب نے ایسا کرنے سے قطعی طور پر منع کر دیا اور اگلے حکم تک اپنی پوزیشن بنائے رکھنے کو کہا۔ نتیجتاً کپتان سرجیت نہ صرف مایوس ہوا بلکہ اسے اپنے کمانڈنگ افسر پر بہت غصہ آیا۔ من ہی من میں سوچنے لگا ''یہی تو پرابلم ہے ان بوڑھوں کے ساتھ۔ ان میں نہ ہمت ہے نہ حوصلہ۔ ورنہ کیوں روک لیتا مجھے؟ ایسا سنہری موقعہ پھر کبھی نہ ملے گا۔'' زہر کا گھونٹ پی کر وہ خاموش ہو گیا۔ اگلے روز کرنل سکھدیو اس کے مورچے کا معائنہ کرنے آیا۔ کپتان سرجیت کھچا کھچا سا لگ رہا تھا اور اس کے ماتھے پر شکنیں نظر آ رہی تھیں۔ کرنل کو بات سمجھ میں آ گئی۔ اس لیے پدرانہ شفقت کے ساتھ کہنے لگا۔ ''بیٹے، شاید تم کل کی بات پر ملول ہو لیکن تمھیں معلوم نہیں کہ تمھاری نظر تو صرف ایک پہاڑی پر تھی جس کو تم فتح کرنا چاہتے تھے جبکہ میری نظر اس کے آگے پیچھے دو اور پہاڑیوں پر تھی جہاں دشمن کی توپیں تمھارا انتظار کر رہی تھیں۔

اباجی ڈیڈی اور پاپا میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے

عطاء القادر طاہر

جب میں نے ہوش سنبھالا اس وقت تمام گھروں میں والد کو اباجی کہا جاتا تھا۔ اُس دور میں اباجی صرف بچوں کے لیے ہی نہیں بلکہ بچوں کی ماں کے لیے بھی خوف کی علامت ہُوا کرتے تھے، ادھر اباجی گھر پہنچتے اور اُدھر گھر کے صحن پر سناٹا چھا جاتا، بچے گھر کے کونوں کُھدروں میں دبک جاتے اور بچوں کی اماں سر پر دوپٹہ اوڑھ لیتی۔ اباجی کے ہاتھ سے تھیلا وغیرہ پکڑ کر مقررہ جگہ پر رکھ دیا جاتا اور اباجی چارپائی پر بیٹھ کر جوتے اُتارتے جنہیں فوراً ایک طرف اُٹھا کر رکھا جاتا۔ پھر اباجی کوئی بھی حکم جاری کرتے تو فوراً اُس کی تعمیل ہوتی، پھر اباجی کو کھانا پیش کیا جاتا اور امی جان اُنہیں قریب بیٹھ کر کھانا کھلاتیں اور سب بہن بھائی بھاگ بھاگ کر اُنہیں کبھی نمک اور کبھی چٹنی مہیا کیا کرتے تھے۔ اباجی کے غُسل سے پہلے امی جان غُسل خانے کا معائینہ کرتیں اور وہاں ڈبہ تولیہ صابن وغیرہ ہر چیز رکھ دیتیں اور پھر اباجی کے کپڑے استری ہوتے، اباجی جب دفتر جاتے تو امی اُن کو دروازے تک رُخصت کرنے جاتیں اور اباجی کے روانہ ہوتے ہی گھر میں چھائی خاموشی کے بندٹُوٹتے اور بچوں کی شرارتیں اور امی جان کی دھمکیاں شروع ہو جاتیں کہ شام کو تمہارے ابا آئیں گے تو تمہاری شکایت لگاؤں گی۔

اُس دور میں اباجی کی دہشت ہر وقت بچوں پر چھائی رہتی تھی، مُجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سکول کی پراگرس رپورٹ پر اباجی سے دستخط کروانا ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا تھا۔ پھر زمانہ بدلا تو بچے اباجی کو ڈیڈی اور ماں جی کو ممی کہنے لگے، ڈیڈی کہلوانے والوں کا وہ رُعب اور دہشت نہیں ہوتی تھی جو اباجی کہلوانے والوں کی ہوتی تھی، ڈیڈی وہ حضرات تھے جو عورت اور مرد کی برابری پر یقین رکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ بیوی اور بچوں کو ڈرا کر رکھنے کی بجائے ان سے دوستانہ تعلقات ہونے چاہییں، چنانچہ ڈیڈی حضرات حکم آخر جاری کرنے کی بجائے مشاورت پر یقین رکھتے تھے اور گھروں میں ان کا طرزِ عمل اباصاحبان سے کافی بہتر ہوتا تھا جو مخاطب کی پُوری بات سُنے بغیر ہی جوتا اُتار لیا کرتے تھے۔ ڈیڈی کہلوانے والے صاحبان کو اگر کھانے میں کوئی نقص نظر آتا تو وہ انتہائی شائستگی سے اس کی نشاندہی کرتے اور اباصاحبان کی طرح کھانا صحن میں اُٹھا کر نہیں پھینکتے تھے، ڈیڈی کہلوانے والے بچوں کے سوالات کے جوابات انتہائی پیار و محبت سے دیتے اور بیوی کی طرف سے اُٹھائے گئے سوالات و مطالبات کے جواب بھی خندہ پیشانی اور دلبری سے دیتے اور گھروں میں توازن کی فضا برقرار رکھتے تھے۔

زمانہ اور آگے بڑھا اور اباصاحبان کو پاپا اور والدہ کو ماما کہا جانے لگا، یہاں سے گھروں میں ایک بڑی تبدیلی آنی شروع ہُوئی اور گھر میں حکمرانی کا تاج پاپا کی بجائے ماما کے سر پر سجایا جانے لگا اور پاپا کی حیثیت گھر میں ایک عام شہری جیسی ہوگئی، پاپا صاحبان جب دفتر سے گھر واپس آتے ہیں تو اُن کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا، ماما ٹی وی دیکھتی رہتی ہیں اور بچے موبائل فون پر ایس ایم ایس کرتے رہتے ہیں، پاپا حضرات کپڑے وغیرہ تبدیل کرکے کھانا مانگتے ہیں تو ماما کہتی ہیں ذرا صبر کریں ڈرامے میں وقفہ آتا ہے تو کھانا دے دیتی ہُوں، اگر پاپا موصوف زیادہ بھوک لگی ہونے کی شکایت کرتے ہیں تو ماما کہتی ہیں کے دفتر سے نکلتے ہی فون کر دیا کریں میں کھانا گیٹ پر ہی رکھ دیا کروں گی۔ اس جواب کے بعد پاپا دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور ڈرامے میں وقفے کا انتظار کرتے ہیں، خُدا خُدا کرکے ڈرامے میں کمرشل بریک آتا ہے تو ماما بھاگ کر کچن میں جاتی ہیں اور کھانا لا کر شوہر کے سامنے یُوں رکھتی ہیں جیسے وہ پیش نہ کیا جارہا ہو بلکہ اُسے ڈالا جارہا ہو اور شوہر کے ہاتھ سے ٹی وی کا ریموٹ جسے شوہر نے بیوی کی غیر موجودگی میں اُٹھا لیا ہوتا ہے واپس جھپٹ لیتی ہیں اور بولتی ہیں ابھی تو بڑا بھوک کا شور مچایا ہُوا تھا اور اب خبریں سُننے کی پڑ گئی ہے چُپ کرکے کھانا کھاؤ اور اگر پاپا کھانے کے بعد ٹی وی کا ریموٹ دوبارہ مانگتے ہیں تو ماما کہتی ہیں کہ چُپ کرکے جا کر سو جائیں اور یُوں پاپا حضرات دُم دبا کر سونے چلے جاتے ہیں۔ آج کے پاپا کی حیثیت اے ٹی ایم مشین سے زیادہ نہیں رہ گئی اور میں یہ سوچتا ہُوں کہ کہاں وہ کل کے اباجان اور کہاں آج کے پاپا، زمانہ کیا سے کیا ہوگیا۔ (منقول)

بھٹو ایک عظیم لیڈر نہیں بلکہ قومی مجرم تھا

بھٹو 11 دسمبر 1971 کو نیو یارک پہنچ گئے تھے 15 دسمبر کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے گئے کیونکہ انھیں زکام ہو گیا تھا اور بخار تھا جس وجہ سے وہ چار دن اپنی ہوٹل کے لگژری کمرے میں آرام کرتے رہے جبکہ بنگال میں ہماری فوج کے پاس ہر گزرتے دن کے ساتھ اسلحہ اور رسد ختم ہوتی جا رہی تھی کمک پہنچ نہیں رہی تھی کیا ایسے موقع پر بھٹو کا ہوٹل میں قیام کرنا مناسب تھا؟ بھٹو 15 دسمبر کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں گئے جہاں ساری دنیا نے سویت اور پولش کی طرف سے پیش کی گئی قرارداد کی متفقہ منظوری دیدی جس کے بعد پاکستان کی رضامندی ضروری تھی۔ قرارداد کے مطابق۔ پاکستان اقتدار پر امن طور پر جیتنے والے ممبر کو سونپ دے یعنی مجیب الرحمٰن کو۔ پاکستان کی فوج کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں بحفاظت بنگال سے نکالنا دنیا یقینی بنائے گی انڈین مداخلت کو بنگال سے ختم کیا جائے گا۔ اس قرارداد کے منظور ہو جانے کے بعد ہمیں کیا ملتا؟ نا ہماری فوج یرغمال بنتی اور نا انڈیا کامیاب ہوتا اور نا ہی پاکستان کے دو ٹکڑے ہوتے۔ مگر بھٹو نے اپنا خطاب شروع کیا تو کہا میں اپنے ملک میں کسی کا قبضہ برداشت نہیں کرونگا۔ حالانکہ وہ کوئی نہیں ایک جیتا ہوا عوامی لیڈر تھا (مجیب الرحمان) میں اقتدار کسی کو نہیں دونگا مجبل الرحمٰن محب وطن نہیں غدار ہے (بغیر کسی ثبوت کے) ہم لڑیں گے اور ہر حالت میں لڑیں گے جبکہ وہ جانتا تھا کہ فوج کے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ میں سلامتی کونسل کی کسی قرارداد کو نہیں مانتا۔ وہاں پڑی پولش اور سویت کی قرارداد کو پھاڑا اپنی جیب میں ڈالا ہوٹل پہنچا واپس پاکستان کے لئے سفر پر نکلا ابھی راستے میں ہی تھا کہ سولہ 16 کو پاکستانی فوج کو سرینڈر کرنا پڑا۔ اور یوں ہم عالمی فورم پر جیتی ہوئی جنگ ایک اقتدار کے بھوکے، کمینے شاطر شخص کی وجہ سے ہار گئے... مگر وہ الفاظ اور جذبات سے کھیلنا جانتا تھا اس نے واپس آ کر قوم کو جذباتی کیا اپنی غلطی کو چھپایا اور بتایا کہ اس نے کیسے سلامتی کونسل میں پیپر پھاڑے تھے دنیا اسی پر خوش ہو گئی اور بھول گئے کہ اس شخص کی وجہ سے ہمارے 90 ہزار فوجی یرغمال بنے ملک دولخت ہوا آج بھی اس کی پارٹی اور اس کے ماننے والے اسے عظیم لیڈر کہتے ہوئے تھکتے نہیں تو عرض فقط یہ کرنی تھی وہ 1971 تھا جبکہ انفارمیشن کے محدود ذرائع تھے آج جب میں یہ بلاگ لکھ رہا ہوں تو میرے سامنے 10 دسمبر سے لیکر 16 دسمبر تک کی دنیا کی تمام اخبارات کے تراشے میرے میز پر موجود ہیں بھٹو کی تقریر سے پہلے اور بعد کے دنیا کے راہنماوں کے بیانات میرے ایک کلک پر کھل جاتے ہیں جو بات حمود الرحمن کمیشن بیان نہیں کر سکا آج میں دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر آسانی سے بیان کر سکتا ہوں۔۔ دنیا کو بتایا جائے کہ بھٹو ایک عظیم لیڈر نہیں بلکہ ایک قومی مجرم تھا... (منقول)

دوسری شادی

ہیما مالنی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ سری دیوی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ روینہ ٹنڈن نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ کرشمہ کپور نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ کرینہ کپور نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ جوہی چاولہ نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ ودیا بالن نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ سونم کپور نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ لارا دتہ نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ ماہیما چوہدری نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ شلپا شیٹی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ امریتا اروڑہ نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ بپاشا باسو نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ رانی مکھرجی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ شبانہ اعظمی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ کاکلی نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ سمیتا پاٹیل نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ مدھو بالا نے ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کی۔ اور اب پریانکا چوپڑا بھی ایک شادی شدہ آدمی سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ شادی شدہ آدمی کو کبھی بھی یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ میری پھر شادی نہیں ہو سکتی۔

یاد رہے شادی شدہ مرد کو لڑکیاں کنواروں سے زیادہ پسند کرتی ہیں حوصلہ ہونا چاہیئے اچھے دن آئیں گے اطلاع یہ دینا تھی کہ میں بھی شادی شدہ ہوں۔ اعلان ختم ہوا۔ ***

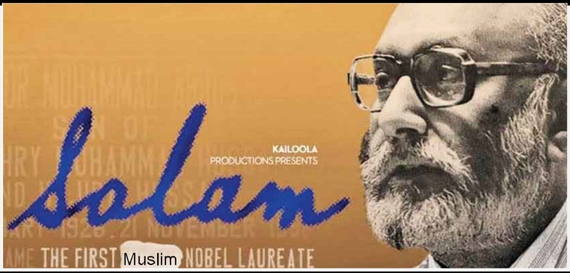

ڈاکٹر عبدالسلام ... (نوبل لاریئٹ) پر بنائی گئی فلم

میں نے یہ بات عبدالسلام کی زندگی پر بننے والی غالباً پہلی دستاویزی فلم میں سنی۔فلم کے پروڈیوسر دو پاکستانی نوجوان عمر وندل اور ذاکر تھاور ہیں۔میں کوئی دس سال سے ان نوجوانوں کو ڈاکٹر سلام، ڈاکٹر سلام کہتے سن رہا ہوں۔یہ ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے یہ فلم بنانے کی تگ ودو میں تھے۔مجھے بھی شک تھا کہ جس طرح پوری قوم ڈاکٹر صاحب کو کافر قرار دے کر ان سے جان چھڑا چکی ہے یہ لوگ بھی بور ہو جائیں گے لیکن ان کی کوشش رنگ لائی ہے اور فلم سلام: پہلا۔۔۔نوبیل پرائز ونر، نمائش کے لیے تیار ہے۔فلم کے ٹائٹل میں جو ڈیش ڈیش ہیں وہاں لفظ مسلمان ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ یہ لفظ ربوہ میں ان کی قبر پر لگے کتبے سے مٹا دیا گیا ہے تو اس لیے فلمسازوں نے کسی فتوے سے بچنے کے لیے ڈاکٹر سلام کو... کہہ کر متعارف کروایا ہے۔ہمارے ہاں دستاویزی فلم بنانے اور دیکھنے کا زیادہ رواج نہیں ہے لیکن ڈاکٹر عبدالسلام پر بنی یہ فلم ایک لو سٹوری ہے۔ان کی پاکستان سے محبت کی کہانی۔پرانی اردو غزلوں والی محبت جس میں محبوب کھٹور دل ہوتا ہے اور عاشق پرلے درجے کا ڈھیٹ، جس معشوق کی گلی میں دھکے پڑتے ہیں وہیں کے چکر بار بار لگاتا ہے۔جب محبوب دیس بدر کر دیتا ہے تو پردیس میں بیٹھ کر دیس میں نکلا ہوگا چاند ٹائپ باتیں کرتا ہے اور آہیں بھرتا ہے۔فلمسازوں نے بہت محنت سے ڈھونڈ کر ڈاکٹر صاحب کی آواز اور ویڈیو کلپس اس فلم میں شامل کیے ہیں جو میں نے تو کم از کم پہلے نہیں دیکھے۔ان کے بیٹوں، بیویوں اور ساتھ کام کرنے والے سائنسدانوں اور ماتحت عملے کے انٹرویوز کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی جو تصویر بنتی ہے وہ ایک کٹّر پاکستانی کی ہے جو اپنا ملک تو چھوڑ دیتا ہے لیکن کبھی اپنا سبز پاسپورٹ نہیں چھوڑتا۔جس کی ساری تحقیق، سارا خاندان ملک سے باہر ہے لیکن اس کی آخری خواہش ہے کہ وہ دفن اپنے وطن کی مٹی میں ہوگا۔جب وہ انڈیا کے پہلے ایٹمی بم دھماکے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں وہ چمک ہے جو دشمن کو سبق سکھانے کا سوچ کر آتی ہے۔اس دھماکے کے فوراً بعد وہ ملتان میں ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ موجود ہیں جہاں طے پایا تھا کہ پاکستان ایٹمی طاقت بن کر رہے گا اور ڈاکٹر صاحب سائنسی مشیر مقرر کیے گئے تھے۔اس کے چند ماہ بعد ہی احمدی کافر قرار پائے اور ڈاکٹر صاحب ایک مرتبہ پھر دل تڑوا کر استعفیٰ دے کر چلے گئے۔لیکن جہاں بھی گیے ایک چھوٹا سا پاکستان ان کے اندر آباد رہا۔کیمبرج میں ان کی سٹڈی کا منظر دیکھیے، جہاں وہ ایک صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھے ہیں اور ایک نوٹ بک میں فزکس کے وہ گنجلک مسئلے حل کر رہے ہیں جن کا ذکر سن ہی ہمیں اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ ان کے گراموفون پر قرآن کی تلاوت چل رہی ہے۔پھر وہ اٹھتے ہیں اور کونے میں پڑے ایک ریڈیو پر ریڈیو پاکستان کی بین الاقوامی سروس پر خبریں سننے لگتے ہیں۔جب وہ انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹکل فزکس بنانے کے مشن پر نکلے تو تمام مغربی ممالک نے حصہ ڈالنے سے انکار کر دیا۔کسی بڑے نے ان سے کہا کہ فزکس تو سائنس کی رولز رائس ہے تو اور تمہارے ملکوں کو تو بیل گاڑی کی ضرورت ہے۔یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں وہ شرارت ہے جو پاکستان کے نئے نئے فاسٹ بولروں میں ہوتی ہے کہ سامنے آؤ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کس مٹی کا بنا ہوں اور جو مجھے چاہیے وہ ضرور لوں گا۔انھوں نے نہ صرف وہ سنٹر بنایا بلکہ آج یہ انھی کے نام سے قائم ہے اور بنانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی طرح اور کسی کو فزکس کے لیے اپنا وطن نہ چھوڑنا پڑے۔سائنسدان تین مہینے کے لیے آئیں، تحقیق کریں اور اپنے اپنے وطن کو لوٹ کر علم پھیلائیں۔ایک عمر میں پہنچ کر وہ پکّے پاکستانی انکل لگتے ہیں جو انگلی ہلا ہلا کر ہمیں ہماری کوتاہیاں بتاتا ہے۔کہتے ہیں پنجاب یونیورسٹی میں Mathematics کا شعبہ 100 سال سے قائم ہے، میں خود بھی اس کا سربراہ رہا ہوں، ہم کیوں ایک بھی پی ایچ ڈی پیدا نہیں کر سکے؟ نوبیل انعام وصول کرنے کی تقریب میں ڈاکٹر عبدالسلام نے سر پر سفید پگڑی، شیروانی اور پاؤں میں کھسہ پہنا آخری عمر میں ایک دل گرفتہ عاشق ہیں۔یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل کا الیکشن لڑتے ہیں اور ان کا اپنا ملک ان کی حمایت سے انکار کر دیتا ہے۔ایک بار پھر دل تڑوا کر وہ گریہ بھی کرتے ہیں لیکن کام بھی جاری تھا۔ان کی ایک نائب بتاتی ہیں کہ دفتر میں بلاتے تھے تو میں ایک درجن پینسلیں لے کر جاتی تھی کیونکہ بات پانچ منٹ میں بھی ختم ہو سکتی تھی اور گھنٹوں بھی نوٹس لینے پڑ سکتے تھے۔جھنگ کے ہائی سکول سے پڑھ کر سائنس کا سب سے بڑا انعام جیتنے والے اس سپوت کو جب نوبیل انعام کے لیے پیش ہونا تھا تو سر پر سفید پگڑی، شیروانی اور پاؤں میں کھسہ پہنا۔ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ اس تقریب میں ہم سب کالے سوٹ پہنے پینگوئن لگ رہے تھے اور ڈاکٹر سلام شہزادہ لگ رہا تھا۔ڈاکٹر صاحب اتنے پکے پاکستانی تھے کہ شادیاں تو دو کر لیں لیکن پاسپورٹ ایک ہی رکھا اور وہ بھی پاکستانی۔اس شہزادے نے ایک مرتبہ اپنے کھٹور محبوب وطن کے لیے کہا تھا کہ ہمیں ایک گھر ورثے میں ملا ہے جس میں کھڑکیاں نہیں ہیں اور اس کی دیواریں بہت اونچی ہیں اور ہمیں کبھی کبھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ گھر ہے یا جیل۔آپ اپنے اردگرد روز بروز بلند ہوتی دیواریں دیکھیں اور اس عاشقِ وطن کو یاد کریں جو اس مٹی میں دفن ہے اور جس کی قبر پر ڈیش ڈیش لکھا ہوا ہے۔

(بشکریہ۔بی بی سی اردو سروس)

’’مفتی محمود کو دودھ کی سبیلیں سپانسر‘‘ اور ’’مولوی فضل الرحمٰن کو نفری سپانسر‘‘

49 سالہ جھوٹی کہانی کا نیا ورژن۔ گُھر ا دیکھئے کدھر جا رہا ہے

اصغر علی بھٹی نائیجر افریقہ

میڈیا پر تیزی سے گردش کرتی، مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی آرٹیکل 6 سمیت دھرنے والی ہدایات کے بعد اب جماعت احمدیہ کے امام کا دھرنے میں شمولیت کا حکم نامہ پڑھ کر مجھے 49 سالہ پرانے 1970 کے الیکشن کے دن اور کچھ سپانسر یاد آ گئے۔ آج سے 49 سال پیچھے اسی اگست، ستمبر اور اکتوبر میں چلتے ہیں۔ صدر ایوب خان صاحب کے دس سالہ اقتدار کا سورج غروب ہو چکا ہے اور وطن عزیز میں مارشل لاء کے سائے میں انتخابات کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ مشرقی پاکستان میں تو عوامی لیگ سیاسی منظر نامہ پر مکمل حاوی نظر آ رہی ہے جبکہ مغربی پاکستان میں 10 مذہبی، نیم مذہبی اور سیاسی پارٹیاں میدان میں اُتری ہوئی ہیں۔ ملک میں سیاسی کافر۔ مذہبی کافر۔ قانون کی اغراض کے لئے کافر اور نیلے پیلے قانونی کافر ابھی الیکشن کمشن کی میٹرنٹی میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ احمدی لوگ بھی ووٹ دینے کے لئے دستیاب ہیں۔ ایسے میں جماعت احمدیہ نے جہاں ایک طرف پیپلز پارٹی کو جزوی طور پر ووٹ دینے کا اصولی فیصلہ کیا ہے تو وہیں بعض سیٹوں پر مسلم لیگ قیوم کو ووٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کچھ سیٹوں پر کنونشن مسلم لیگ کو اور بعض سیٹوں پر آزاد امیدواروں کی مدد کا فیصلہ کیا ہے۔ البتہ ایک آدھ پر کونسل مسلم لیگ کے امیدوار کی حمائت کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس مذہبی اور سیاسی پارٹیوں کے دنگل کے بیچوں بیچ جماعت اسلامی ایک بڑے پہلوان ہونے کا اعلان کرتی وزارت عظمیٰ پر نظریں گاڑھے کھڑی نظر آ رہی ہے جس نے ہندوستان سے مولوی عامر عثمانی صاحب ایڈیٹر تجلی کو اور پاکستان میں جناب آغا شورش کاشمیری صاحب ایڈیٹر چٹان کو اپنا بھونپو بنایا ہوا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ جناب آغا شورش کاشمیری جماعت اسلامی کے میڈیا سیل کے تعاون سے خم ٹھونک کر جماعت اسلامی کی مدد کے لئے سر کے بالوں سے لے کر پیروں کی انگلیوں تک زور لگا رہے ہیں۔ جناب شورش صاحب الیکشن مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے آخر ایک موقعہ پر آ کر اپنے روائتی احراری پینترے کی طرف مڑھ گئے اور یوں براستہ جمیعت علمائے اسلام و مفتی محمود صاحب، جماعت احمدیہ پر حملہ آور ہو گئے۔ براستہ مفتی محمود صاحب میں نے اس لئے لکھا کہ انہوں نے ایک طرف تو مسلسل اپنے صفحات اس بات پر سیاہ کرنے شروع کر دیئے کہ احمدی اس مرتبہ انتخابی عمل میں حصہ کیوں لے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ واویلا مچانا شروع کر دیا کہ احمدی احباب پیپلز پارٹی کی مدد کر رہے ہیں اور تیسری طرف یہ تڑکا لگانا شرع کر دیا کہ جمیعت العلمائے اسلام یعنی مفتی محمود صاحب اور مولوی غلام غوث ہزاروی کی جماعت اور ان کی الیکشن مہم کو جماعت احمدیہ فنانس کر رہی ہے۔ مفتی محمود صاحب کی پارٹی نے ’’آئین شریعت کانفرنس‘‘ منعقد کی تو شورش صاحب نے اس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے اپنے چٹان میں ایک جہازی سائز کا مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا ’’قادیانی جماعت نے آئین شریعت کانفرنس کے انعقاد پر 10000 دس ہزار روپیہ دیا تھا۔ مولوی غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود کس استاد کے آلہ کار ہیں‘‘ اس مضمون نے انہوں نے انکشاف کیا کہ جمیعت العلمائے اسلام کے دونوں بزرگ ان دنوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ انھیں قادیانی گوارا ہیں کیمونسٹ عزیز ہیں۔ لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور آغا شورش کاشمیری کے خلاف جو زہر ان کے دل میں بیٹھ چکا ہے وہ نکلنا مشکل ہے‘‘ پھر مزید انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’آئین شریعت کانفرنس میں جو سبیلیں لگی تھیں وہ سرخوں کی تھیں یا پھر ایک سبیل کے لئے قادیانی جماعت نے چندہ دیا تھا‘‘ (چٹان 20 جولائی 1970 ص 4 و ص 6) بلکہ بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا ’’جمیعت العلمائے اسلام (یعنی مفتی محمود صاحب وغیرہ) مرزائیوں کا بغل بچہ ہے (چٹان 17 اگست 1970 ص 4) مکرم مفتی محمود صاحب بھی تو اسی مدرسے سے پڑھے ہوئے تھے جہاں سے شورش صاحب زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے تھے چنانچہ جواب میں انہوں نے بھی قادیانی ادرک ڈال کر شورش کی دیگ الیکشن مہم کے چولہے پر چڑھا دی اور آگ کی آنچ کو تیزی سے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ مرزائیوں نے چٹان کے اس مضمون پر جس میں مفتی محمود اور ان کی پارٹی پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے قادیانیوں سے مالی مدد لی ہے بہت مسرت کا اظہار کیا ہے اور

اس خوشی میں چٹان کے مدیر آغا شورش کاشمیری کو نذرانہ پیش کرنے کے لئے ان کے رسالہ کو اشتہارات سے نوازا ہے۔ اب شورش صاحب کو جب اشتہارات کے نام سے آگ کی حدت پہنچی تو آپ تلملا اُٹھے اور جواباً فرمایا ''میں ان کوڑھ مغزوں سے الجھنا نہیں چاہتا۔ مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی اب اس قابل نہیں رہے کہ انھیں منہ لگایا جائے۔ (چٹان 10 اگست 1970 ص5)

اب جب'' قادیانی سبلیں'' اور'' قادیانی اشتہار'' کی بریانی پک کر تقسیم کے مراحل میں آگئی تو جماعت اسلامی کی میڈیا ٹیم خود بھی حجاب اتار کر میدان میں اپنا حصہ وصول کرنے پہنچ گئی اور اپنے جریدے ایشیا کی 9 اگست 1970ء کی اشاعت میں اعلان فرمادیا کہ'' جہاں جماعت احمدیہ اور پیپلز پارٹی کا اتحاد ہو چکا ہے وہیں اب منکرین ختم نبوت اور نام نہاد محافظین ختم نبوت بھی اب ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں اور اب جماعت احمدیہ اور جمیعت العلمائے اسلام بھی ایک ہی صف میں کھڑے ہیں'' قدرت کا تماشا دیکھئے ایک دوسرے کو'' قادیانی نواز'' اور'' مشرکین کی طرح قابل نفرت'' اور '' سنگساری کے قابل'' قرار دینے والی جماعتیں چند برسوں بعد اسی مفتی محمود کی صدارت میں اگلے انتخابی اتحاد کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ آج ارشاد احمد بھٹی صاحب جیسے صحافیوں سے لے کر اپنے آپ کو'' بڑے باخبر صحافی'' کہلوانے والے بڑے بڑے جغادڑی یہ کہہ کر اس جعلی خط کو ری ٹویٹ کر رہے ہیں کہ کنفرم ذرائع سے یہ بات سامنے آئی ہے جماعت احمدیہ نے اپنے ورکرز کو مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے دھرنے میں شمولیت کی ہدائیت کر دی ہے۔ اب یار دوست کہتے ہیں کہ حکومتی جماعت یعنی پی ٹی آئی دراصل جماعت اسلامی کی بی ٹیم ہے اب یہ تو معلوم نہیں کہ پی ٹی آئی جماعت اسلامی کی بی ٹیم ہے یا نہیں مگر جب مفتی محمود کے بیٹے کو کسی نے'' قادیانی نواز'' کی آنچ دی ہے تو جواباً'' قادیانی اشتہارات'' کا تڑکہ تو واپس آنا ہی ہے۔ اس لئے 49 سال قبل کی تاریخ سامنے رکھتے ہوئے میں تو یہی کہوں گا کہ دیکھتے ہیں کہ اب کی بار کُھرا کس کے گھر کو جاتا ہے؟؟؟

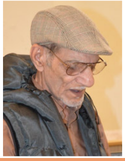

شائق نصیر پوری

آنکھوں کو بصیرت کے اُجالے سے غرض ہے
منظر کو فقط دیکھنے والے سے غرض ہے

کیا بھوک مٹاتا نہیں اب لقمہ ٔ تر بھی ؟
جو سب کو مرے سوکھے نوالے سے غرض ہے

میں جب سے منازل کے تعاقب میں لگا ہوں
راہوں کو مرے پاؤں کے چھالے سے غرض ہے

اِک بستیِ ٔ افلاس سے منسوب ہوں میں اور
لوگوں کو امیروں کے حوالے سے غرض ہے

اغیار کی تہذیب سے مجھ کو نہیں مطلب
مجھ کو بس اردو کے رسالے سے غرض ہے

سنتے ہیں کہ جس روز سے برسات ہوئی ہے
ہر شخص کو بہتے ہوئے نالے سے غرض ہے

رکھتا ہوں میں آباد حویلی کو اے شائقؔ
مجھ کو ہی روایات کے جالے سے غرض ہے

نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

عبدالکریم قدسی

خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا
میرا انجام ہے مخدوش مچانوں جیسا

کس کی ہمت تھی بھلا آ کے بسیرا کرتا
سینہ و دل تھا مرا اُجڑے مکانوں جیسا

زندگی ٹیڑھی لکیروں میں الجھ کر گزری
نقشہ قسمت کا تھا مدفون خزانوں جیسا

گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا

کاشت کرتا ہے اُگاتا ہے نئی نت فصلیں
جذبۂ شوق میرا بوڑھے کسانوں جیسا

شعر قدسیؔ کے نیا خون عطا کرتے ہیں
نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

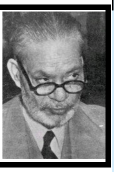

محسنِ قوم — عاصی صحرائی

"سر محمد ظفراللہ خان طویل علالت کے بعد 93 برس کی عمر میں وفات پا گئے ہیں اور انہیں آج ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا جائے گا۔ قطع نظر اس بات کے کہ اُن کا تعلق قادیانی جماعت سے تھا اپنی طویل زندگی میں اُن کی ترقی و عروج اور خدمات و کارکردگی کے اظہار و اعتراف میں تامّل و بخل سے کام لینا مناسب نہیں ہوگا۔ انگریزوں کے زمانہ میں وہ پنجاب اسمبلی، وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اور وفاقی عدالت کے رکن رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد تقریباً سات برس تک وزیرِ خارجہ رہے۔ اور اس دوران میں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں بھی پاکستان کے مندوبِ اعلیٰ کے طور پر فرائض ادا کئے۔ وہاں جنرل اسمبلی کی صدارت کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کے علاوہ فلسطین اور کئی عرب ملکوں (مراکش، تیونس، لیبیا وغیرہ) کے حق آزادی و خود مختاری کی وکالت میں پاکستان کا نقطۂ نظر جس انداز میں پیش کیا اُسے عرب ملکوں میں اب تک سراہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدرِ محترم کے علاوہ سعودی سفیر بھی اُن کی عیادت کے لئے گئے تھے۔ وزارتِ خارجہ کی سربراہی سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ عالمی عدالتِ انصاف کے رکن بن گئے اور دوسری میعاد کے لئے منتخب ہونے کے بعد اُس کے صدر بھی رہے۔ اس دوران میں وہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ قادیانی ہونے کی نسبت سے پاکستان میں اُن کے خلاف اعتراض و احتجاج کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا لیکن قائداعظم اور پھر لیاقت علی خاں مرحوم نے انہیں بہت اہم ذمہ داریاں سپرد کیں... 1953ء کی اینٹی قادیانی تحریک سے قبل اسلامیانِ ہند کے قومی معاملات میں سر آغا خان کی طرح، سر محمد ظفراللہ خاں کا حصہ و کردار بھی بہت نمایاں رہا تھا۔ 1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر بھی بنائے گئے تھے اور 1931ء میں اور بعد کی گول میز کانفرنسوں میں وہ علامہ اقبال، قائداعظم اور دوسرے اکابر کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر شامل ہوتے رہے۔" (اداریہ نوائے وقت 3 ستمبر 1985ء)

عارف ـــــ خورشید

انعام: "اگر کوئی عورت نیک ہے اور اُس کا شوہر بد، تو وہاں اُس بُرے شوہر کی صحبت سے خلاصی پا جائے گی اور کوئی نیک مرد اس کا شریکِ زندگی بنا دیا جائے گا" مولانا کی تقریر سُن کر وہ بہت خوش ہوئی۔

صلاحیت: مولانا نے مسلسل دو تین سال کی کوششوں کے بعد سرپرست کو بُلا کر سمجھایا، "اس میں مولانا بننے کی صلاحیت بالکل نہیں ہے۔" سرپرست کا مایوس چہرہ دیکھ کر اُنہوں نے وضاحت کی "دراصل یہ بہت سیدھا سادھا اور معصوم ہے۔"

فرار: "محرّم میں شربت کیوں پیتے ہیں؟" "امام حسین پیاسے شہید ہوئے تھے"۔۔۔۔!!!

درد کی لکیریں — نذیر احمد یوسفی

گیروے رنگ کپڑوں میں ملبوس بوڑھے پنڈت نے بوڑھے برگد کی گھنی چھاؤں میں اپنی بوسیدہ شطرنجی بچھا رکھی تھی۔ سامنے ڈھیر سارے لفافے اور پنجوں اور اُنگلیوں کے نشانات والے کاغذات پھیلے تھے۔ نشانات کے درمیان کئی طرح کے ہندسے بھی لکھے تھے۔ پنڈت کی یہ جگہ مخصوص تھی۔ وہ یہاں روزانہ ہی ہاتھوں کی ریکھاؤں کے ذریعہ قسمت پڑھنے والی دکان لگاتا تھا۔ میں آفس سے چھوٹنے کے بعد اسی اسٹو پیج سے بس پکڑتا تھا۔ اسی لئے ہر شام دس منٹ کے لئے یہاں ضرور کھڑا ہو کر آنے جانے والوں کی حرکتیں دیکھا کرتا تھا جو اپنی قسمت اپنے ہاتھ کی ہتھیلی میں لیے پھرتے تھے۔

ہر دوسرے تیسرے دن وہ دُبلا پتلا مُرجھائی اور بیمار شکل والا ادھیڑ عمر شخص پنڈت کے سامنے ہتھیلی پھیلائے مل جاتا۔ ہتھیلی کی ریکھاؤں میں قسمت پڑھنے والا جیوتشی پنڈت اس کھردرے اور سوکھے ہاتھ میں نہ جانے کیا تلاش کرتا تھا۔ آج اس کا انہماک دیکھ کر مجھے بھی کرید پیدا ہوگئی۔ اس شخص کو لڑکھڑاتے قدموں سے واپس جاتے دیکھ کر میں نے پوچھ لیا، "پنڈت جی! اس کو برابر آپ کے پاس دیکھتا ہوں۔ اس کی شانتی کے لئے کچھ اچھی خبر کیوں نہیں دے دیتے؟" "ہاں ججمان!" پنڈت نے مایوس لہجے میں کہا، "اس کے ہاتھ کی ریکھاؤں کے انوسار ابھی اُسے بہت کشت جھیلنے ہیں۔" "لیکن آج آپ نے کیا بتایا کہ وہ بڑا خوش خوش یہاں سے گیا ہے۔؟"

"آج کا دن اچھا ہے، اس کے جیون کے سارے کشت اب دُور ہو جائیں گے" میری بس آ کر رُکی تو میں بات ادھوری چھوڑ کر اور لوگوں کے ساتھ بس میں سوار ہو گیا۔ مشکل سے چند منٹ بعد ہی چلتی ہوئی بس رُک گئی۔ ایک صاحب نے جھلّا کر کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا، "ارے کیا ہوا؟ بس کیوں رُک گئی؟" "ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے۔" کنڈکٹر چلّایا چند منٹ میں بس خالی ہو گئی۔ سارے مسافر کچلے جانے والے بدنصیب کو دیکھنے اور پہچاننے کے لئے آگے کی طرف لپکے۔ نہ جانے کیوں ایک خوفناک اندیشے نے مجھے بھی بے چین کر دیا۔ جسموں کی بھیڑ میں جگہ بنا کر جھانکا "ہاں وہی تھا"۔

***

محترم تقی عثمانی صاحب کے حوالے سے فرنود عالم کا تبصرہ

حضرت جنرل ضیالحق کے دور میں مفتی تقی عثمانی کا کردار وہی رہا جو خلافت عثمانیہ میں کسی بھی شیخ الاسلام کا ہوا کرتا تھا۔شاہ نے دربار سے حکم جاری کرنا ہے اور انہوں نے منبر پہ بیٹھ کر اس کو کوہِ طور پر اُتری ہوئی کوئی تجلی ثابت کرنا ہے۔ جنرل ضیاع کے پاس سادہ رُوحوں پر پیلنے کے لیے جو چونا تھا، اُس پر اسلام لکھا تھا۔بس جب انہوں نے آواز دی تو محراب کے پیچھے سے فقیہانِ شہر کا ہجوم ٹوپیاں سیدھی کرتا ہوا برآمد ہوا۔ بریلوی مکتب فکر سے پیر کرم شاہ حضرتِ ضیاع کو ظل الہی بتانے کے لیے آگے آگے تھے اور دیوبند مکتب فکر سے مفتی تقی عثمانی تھے جو آمریت کی کڑی دُھوپ کو کو سایہ ذوالجلال قرار دے رہے تھے۔ ایک دوسرے کو اوورٹیک مارتے ہوئے جو ہجوم پہنچے ان کے لیے شریعت کورٹ کے دروازے کھول دیئے گئے۔کوئی جج لگا، کسی کو سرکاری جامعہ میں پروفیسر بھرتی کیا گیا، کسی کو فوج میں خطابت مل گئی کسی کو جہادی تنظیم کی سربراہی ملی۔ اور جو بچ رہے ان کو مدرسے اور مسجد کے نام پر رقبوں پر پھیلی ہوئی زمینیں مل گئیں۔ ان کی زندگی کا مصرف ایک رہا۔ یہ ضیا کا دامن نچوڑ کر وضو کریں، اور کسی بھی طرح گن کر بتائیں کہ اِس نطفہِ پُر الم کے ایک ایک قطرے سے کتنے فرشتے جنم لیتے ہیں۔ وہ بات کرے تو یہ تشریح کریں۔ وہ جبر کرے تو یہ صبر کی تلقین کریں۔ وہ جھوٹ بولے تو یہ اُسے حدیث دلبری کہیں۔ وہ قدم اُٹھائے تو یہ ہتھیلی رکھیں۔ خاکی دسترخوانوں کا پس خوردہ جن کے منہ کو لگ جائے وہ اِس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں؟ آج پھر سے گُھمسان کا وہی رَن ہے۔ مفتی تقی عثمانی نے کتاب سے سر اُٹھا لیا ہے اور ٹویٹر پر تائید و توثیق کی مسند لگا لی ہے۔ جامعۃ الرشید کے پنجتن افغانستان کے تندوروں کے بچے ہوئے پیڑے اب ہمارے جلے ہوئے دلوں پر لگانے آ گئے ہیں۔ عوامی حلقوں کی تائید کا سوال آ جائے تو چڑھ چڑھ کے آنے والے یہ مولوی زبان موڑ کے پیٹ میں رکھ لیں گے۔ جھنڈی دکھا کر کہہ دیں گے ہم تو بھئی تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں ہمارا سیاست سے کیا تعلق۔ لیکن سوال اگر آ جائے طاقت کے غیر جمہوری مراکز کے تحفظ کا تو یہ ایک ہی ہلے میں تنبو پھاڑ کے باہر نکل آئیں گے۔ گلشن معمار کا کارخانہِ مشک و عنبر ہو، کورنگی کی سلطنتِ عثمانیہ ہو، سائٹ ایریا کی لانڈری ہو یا نارتھ ناظم آباد میں چار شادیوں کی فضیلت والے جعفر زٹلی کا ڈیڑھ انچ کا تھیٹر ہو... سب کو دھیان کر لینا چاہیے کہ اس راہ کا انتخاب آپ خود کر رہے ہیں۔ اگر ٹینکوں توپوں پر کپڑا مارنے کے لیے آپ شملوں کو کلف لگا چکے ہیں، تو پھر تیار رہیے کہ سیاست کے پراگندہ طبع طالب علم اپنے ہاتھ بھی انہی شملوں پہ صاف کریں گے۔ ایک منٹ ٹھہر جائیے!! پہلے جا کر اپنے اجداد کی اُدھڑی ہوئی خون آلود قبروں پر کوئی مراقبہ کر لیجیے۔ ان سے پوچھ لیجیے کہ بندوق کی نال کو کندھا دینے کے عوض انہیں کیا ملا؟ انہیں کیا ملا جو تم لینے کو اتاولے ہوئے جا رہے ہو؟ طارق جمیلوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اسی کی دہائی نہیں ہے۔ یہ نیا زمانہ ہے اس کے انداز اور ہیں۔ دو چکر کاٹ کے ہی اندازہ ہو جائے گا کہ اِس دشتِ بے اماں میں ایک حور کتنے کی پڑتی ہے۔

Concept 2Print
DIGITAL LITHO
A Complete Design & Print Service
CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH
• Business Cards • Letterheads • Compliment Slips
• Folders • NCR Pads • Brochures
• Booklets • Calendars • Posters
• Books • Flyers • Pull up Banners
• Wedding Cards • Greeting Cards • Invitation Cards
Tel: 0203 603 7582
e:info@concept2print.co.uk
106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT
WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES
Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.
• Laptop Repairs
• Computer Repairs
• Virus / Malware Removal
• Data Recovery
• System Optimization
• Home / Office Networking
• Server Installation
• Infrastructure & Networking
• Web & Application Development
• Sales & Purchase
• CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530
www.hatservices.com
106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

Catering to your requirments
Call:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

SHARIF JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience

www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوورسٹیرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE